

اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق

جناب نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

((وہل تدري حق الله على عباده؟ وما حق العباد على الله؟))

قلت: الله ورسوله علم ، قال : ((فإن حق الله على العباد

يعبدوه ولا يشركوا به شيئاً ، وحق العباد على الله لا يعذب

من لا يشرك به شيئاً .)) (صحيح بخاري ، رقم الحديث: ۲۸۵۶)

”کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر

کیا حق ہے؟“ میں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ

نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا

شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ

ٹھہرائے، اسے عذاب نہ دے۔“

مرحلہ شباب پر اسلام کی توجہ

اور شبان اسلام کے لیے قابل تقلید نمونے

انسانی زندگی کو تین بنیادی مرحلوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: (۱) بچپن۔ (۲) جوانی۔ (۳) بڑھاپا۔
انسانی زندگی کے ہر مرحلے پر توجہ کے ساتھ ساتھ اسلام نے شبان کی تربیت و رہنمائی کے لیے مفصل ضوابط پیش کیے ہیں، اس سلسلے میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس توجہ کی حکمت و فلسفہ کیا ہے؟
علمائے شریعت و اخلاق نے اس عنایت و توجہ کی متعدد محکماتیں ذکر کی ہیں، لیکن بہ نظر اختصار میں صرف ایک حکمت کی طرف اشارہ کرتا ہوں:

شباب کا یہ مرحلہ علم، عمل، جہاد اور خاندان سازی کا مرحلہ ہے، اسی لیے اس کی اہمیت زیادہ ہے اور زندگی کے دیگر مراحل پر اس کا اثر گہرا ہے۔ عقیدہ، فقہ، اصول فقہ، تفسیر، قرأت، حدیث، اصول حدیث، نحو، صرف، بلاغت، تحقیق و تنقید وغیرہ علوم و فنون میں مسلمانوں نے جو علمی سرمایہ دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے اس کی مثال انسانی تاریخ میں کسی بھی دوسری قوم کے پاس نہیں ہے۔ علم کا یہ عظیم سرمایہ علماء و ائمہ اسلام نے اپنی عمر کے اسی مرحلے میں حاصل کیا تھا جسے ہم جوانی کے مرحلے سے یاد کرتے ہیں۔ آج کی نو جوان نسل کے لیے جن شبان اسلام کو نمونہ کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے ان میں درج ذیل شخصیات نمایاں ہیں:

۱۔ امام شافعی رحمہ اللہ: آپ کو حدیث، فقہ، لغت اور علوم قرآن میں حجت و سند کا مقام حاصل ہے، اصول فقہ کے آپ بانی و مؤسس ہیں، اس فن میں آپ کی کتاب ”الرسالۃ“ آج بھی علماء و محققین کے لیے نشانِ راہ ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے: ”لو لا الشافعی ماعرفنا فقہ الحدیث“، یعنی اگر امام شافعی نہ ہوتے تو ہمیں پتا نہ چلتا کہ فقہ حدیث کیا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے صرف ۵۴ سال کی عمر پائی، انھیں علوم و فنون میں جو کمال و تفوق حاصل ہوا، سن شباب ہی میں ہوا، اسی سن میں عبدالرحمن بن مہدی کی درخواست پر انھوں نے ”الرسالۃ“ تصنیف کیا۔

۲۔ شباب اہل حدیث کے لیے ایک اور قابل فخر و اعتراف شخصیت امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ کی ہے۔ سن شباب میں علم حدیث کی تحصیل کے بعد اس کی تنقید و تجویز کا جو معیار آپ نے قائم کیا وہ آج بھی ضرب المثل ہے۔ نو سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ سولہ سال کی عمر میں آپ کے شیوخ کی تعداد ایک ہزار اسی تک پہنچ چکی تھی۔

۳۔ فکر و عمل اور علم و تحقیق کے میدان میں قائدانہ اوصاف کی حامل ایک ممتاز شخصیت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ہے، جنھوں نے اپنی بلند ہمتی اور بالغ نظری سے علم و عمل کا ایسا معیار قائم کیا کہ میدان دعوت و عزیمت کا ہر فرد اس کی تقلید پر نازاں ہے۔ آپ کے پیش کردہ معیاری لٹریچر کی اصالت و افادیت کے اعتراف پر تمام علمی حلقے مجبور ہیں۔

۴۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ: آپ کا نام علمی دُنیا میں ”فتح الباری“، ”الاصابہ“ اور ”الدرر الکامئۃ“ وغیرہ کتابوں کی بدولت زندہ و جاوید ہے۔ انھوں نے ۹ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا اور بیس سال کی عمر میں فن حدیث میں مہارت پیدا کر لی تھی۔

(مولانا ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری)

الاعنصل

یکے از مطبوعات دارالدعوة السلفية

09 صفر المظفر 1435 ۛ جمعة المبارک 13 تا 19 دسمبر 2013

شماره 48 جلد 65

مجلس ادارت

- شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی
- مولانا محمد اسحاق بھٹی
- مولانا ارشاد الحق اثری
- ملک عصمت اللہ قلعوی
- حافظ حماد شاکر
- حماد الحق نعیم
- مدیر مسئول
- حافظ احمد شاکر
- مینیجر
- محمد سلیم چنیوٹی

0333-4786507

جواہر یارے

○	اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق	
○	کلمہ طیبہ	مرحلہ شباب پر اسلام کی توجہ.....
○	اداریہ	نعرہ مستانہ
○	درس قرآن	تفسیر سورة الصَّفّت..... (۳۲)
○	درس حدیث	أربعین اعتقادی..... (۲۳)
○	مقالات علمیہ	اللہ تعالیٰ اور بندے کی آپس میں محبت..... (۱)
○	یاد رفتگان	مولانا محمد ابراہیم کبیر پوری
○	نقد و نظر	سود کی حرمت و قباہتیں
○	تذکرہ علمائے اہل حدیث	مولانا ابوالکلام آزاد کا مسلک..... (۲) آخری
○	نقطہ نظر	نظام کی تبدیلی

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
 کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج برانچ لاہور
 فون نمبر : 042-3735 4406
 فیکس نمبر : 042-37229802
 رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

فی پرچہ : 12/- روپے
 سالانہ : 500/- روپے
 بیرونی ممالک سے : 200/- ریال }
 60/- ڈالر امریکی

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

پرنٹر: پرنٹ یا رڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

نعرہ مستانہ

عالمی سیاست کے جھرنوں سے یہ بات چھن کر باہر آنے لگی ہے کہ عالمی سیاست کی بساط پر حاوی کھلاڑی کے بالمقابل اُس کا حریف یعنی روس تازہ دم ہو کر اُس کے سامنے بیٹھ چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالمی سیاسی منظر کی تبدیلی بڑی تیزی کے ساتھ نمایاں ہونا شروع ہو چکی ہے۔ روس اپنی بکھری کرچیاں جمع کر کے دوبارہ توانا ہونے کی کوششیں کرنے لگا ہے اور اب شرق اوسط خصوصاً شام میں برسرِ پیکار..... حکومتی اور اپوزیشن..... طبقوں میں اُس نے ایک طبقے کو کندھا دینا یعنی برملا اُس کی طرف داری شروع کر دی ہے۔ بعض عرب مملکتوں کے سربراہ امریکا کے اتحادی کینوس سے نکلنے کا سوچنا شروع کر چکے ہیں۔ اور وہ مسلم ممالک جنہوں نے سال ہا سال سے اپنے اندرونی حالات کے باعث امریکا مخالف فضاء بنا رکھی تھی اب وہ امریکی آغوش کی طرف لپکنا یا چشمِ نیم باز سے اُس کی طرف دیکھنا شروع ہو چکے ہیں۔

یہ بات تو اب تک وطنِ عزیز کے ہی خواہوں اور اصحابِ علم کے ذہن میں تازہ ہوگی کہ روسی شکست و ریخت کے بعد امریکا نے جو نیوولڈ آؤر جاری کیا تھا اُس کا مقصد اقوامِ عالم پر مطلق العنان حاکمیت کی خواہش خوابیدہ تھی، اُس کو صرف مسلمانوں کے جذبہ حریت اور شوقِ شہادت سے خطرہ تھا جس کا مشاہدہ جنگِ افغانستان میں وہ خوب کر چکا تھا اس کے لیے اُس نے دو جہتی حکمت عملی اپنائی:

☆..... مسلمانوں..... عراق ایران، عراق کویت..... کو باہم الجھا کر..... سوڈان کو..... دھمکا کر، بعض ممالک اسلامیہ..... ایران و سعودی عرب کو ایک دوسرے کا..... ہوا دکھا کر..... افغانستان کو..... اپنی قوتِ قاہرہ کے عرب تلے لاکر اپنا مقصد حل یا راستے کی ممکنہ مشکلات کو دور کرنے کے لیے وہ سوچ بچار کرتا رہا.....

اور دوسری طرف پاکستانی حکمرانوں کو مستقبل کا خوف دلا کر اقوامِ عالم پر حکمرانی کا راستہ ہموار کرنے کی اُس نے کوششیں بھی جاری رکھیں جس میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی رہا، لیکن اپنے اصل ہدف یعنی افغانستان میں ہزاروں عیاریوں، مکاریوں اور افغانیوں کو سرب دکھانے کے باوجود مرد کو ہستانی..... افغانیوں..... کوروند نہ سکا بلکہ سرزمینِ افغانستان کو خونِ مسلم سے رنگین کرنے کے باوجود اُس نے پہاڑوں سے سرنگرا کر واپس جانے کو ہی غنیمت جانتے ہوئے باسلامت واپسی کے راستے تلاش کرنے پر وہ مجبور ہو گیا اور اب وہ مجبور بلکہ ناکام ہو کر واپس جا رہا ہے۔ ہمیں افسوس اپنے سیاست دانوں، حکمرانوں اور پالیسی سازوں پر ہے کہ وہ گزشتہ ربعِ صدی..... ۱۹۸۸ء تا ۲۰۱۳ء..... کے عرصہ میں نہ کوئی اپنی نئی حکمت عملی طے کر کے اپنا سکے، نہ ہی اُس سے اور اُس کے قرضوں سے جان چھڑانے کا کوئی فیصلہ کر سکے اور نہ ہی گلے سے ڈالر کا طوق اتار سکے یعنی کرنسی کی ڈالر سے وابستگی ختم کر سکے حتیٰ کہ عالمِ اسلام بھی ربعِ صدی کفر کا خنجر بنا رہا زخمِ سہتا بھی رہا اور سہلتا بھی لیکن مسلم اُمہ کوئی ایسا فیصلہ نہ کر سکی جس سے اسلام بمقابلہ کفر سر اٹھا کر کفر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال سکے یہاں تک کہ مسلم اُمہ اب تک اپنی الگ کرنسی پر بھی اتفاق نہیں ہو سکی۔

وطنِ عزیز اپنے جغرافیائی محل وقوع، وطنِ عزیز پر انعاماتِ الہی..... موسموں، زرعی بولمونیوں، افراد کی ذہانت و فطانت، قوتِ کار، اور تخلیقی صلاحیتوں..... کی فراوانی سے ہمارے حکمران اور سیاست دان بیشک غافل بلکہ قدرنا شناس ہوں گے لیکن عالمی قوتوں کے تھینک ٹینک اُن سے قطعاً بے خبر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عالمی طاغوت نے ہمیشہ سے حکمرانوں سیاست دانوں اور بیوروکریٹس کو خواب دکھا کر اور مفادات کا فیڈ ران کے منہ میں دے کر اُن کو خواب غفلت میں سلائے رکھا اور اپنے مذموم مقاصد میں کامیابیاں حاصل کرنے میں کوشاں رہا۔

دور حاضر میں سیاسی برتری، میدانی، فضائی اور بحری جنگوں کی رہن منت نہیں رہی بلکہ اس دور کی سیاسی ضرورت معاشی و اقتصادی استحکام ہی باعث تفوق ہو چکا ہے جس سے ملک میں صنعت حرفت کا دور دورہ رہے اور اُس کی زرعی و صنعتی پیداوار روز افزوں ہوتی رہے۔ اس سے عوام کو روزگار بھی ملتا ہے تخلیقی اذہان صنعت، زراعت اور حرفت میں اپنی صلاحیتیں بروئے کار لا کر اپنے وطن کے معاش و اقتصاد کو مضبوط کرنے کا سبب بھی بنتے ہیں پھر ایسے ممالک پر انگریزوں کو اپنا تسلط قائم کرنا ہی مشکل ہوتا ہے چہ جائے کہ اُس کو برقرار رکھ سکے۔

اسے سوئے اتفاق کہیے یا حسن اتفاق کہ وطن عزیز میں صنعتی ترقی کی طرف دل دادگان جمہوریت کے ناپسندیدہ دور یعنی پہلی فوجی حکومت کے ایوب خانی دور میں پہلا قدم اٹھا کر وطن عزیز کو معاشی استحکام کی شاہراہ پر ڈالا گیا، جو عالمی طاغوت برداشت نہ کر سکا۔ ایک طرف تو اُس نے اپنے ہی لائے ہوئے حاکم کو آمر قرار دے گھر کے بھیدی سے لٹکا ڈھانی شروع کرادی اور دوسری طرف عوام کو ملکی ترقی کے سہانے خواب اور سراب دکھا کر اپنے کارندوں کے ذریعے حکمرانوں کو سودی قرضوں کی لت ڈال دی نیز اُس نے دانا دشمن کی طرح سیاست دانوں اور حکمرانوں پر عنایات کی برکھا برسا کر اُن کو مایا سمیٹنے پر لگا دیا اور دوسری طرف اُس نے بیوروکریٹس کو کمیشن کی ایسی افیم لگا دی کہ وہ ننانوے کی چکا چوند سے متعاصر ہو کر خلف وفاداری بھی بھول گئے وہ سودی قرض کی قسط یا اُس کا سود ادا کرنے کے لیے مزید قرض کی سیریاں تیار کرتے رہے اور حکمران کہیں ترقیاتی فنڈز کے عنوان پر، کہیں حکمرانوں اور کہیں بیوروکریٹس کو سہولیات و آرائش کے لیے بے دریغ اخراجات کر کے وطن کا خزانہ خالی کرتے رہے اور وطن عزیز مقررہ درمقروض ہوتا رہا، صنعتیں بند ہونے لگیں، حرفت ختم ہونے لگی بے روزگاری بڑھنے لگی، ڈالر چڑھتا رہا، مہنگائی بڑھتی رہی اور اُس کو پر لگ گئے اور جمہوریت کے نام پر منتخب ہونے والے ”عوامی نمائندے“ عوام کے دکھ سے بے نیاز ہو کر ان سودی قرضوں سے استمتاع یعنی حسب توفیق گلشرے اڑاتے رہے اور ملکی معیشت اس طرح رو بہ زوال ہونے لگی کہ روکے بھی نہ رک سکی۔

اقتصاد و معاش کے رو بہ زوال ہونے میں حکومتی مصنوعات کا زور آورں کا ناجائز استعمال، حکومتی اداروں اور ٹکڑوں کی سرکاری واجبات کی عدم ادائیگی بھی اہم عنصر ہیں نیز حکومتی ٹیکس کا نظام، کسٹم کی ناروا شرح اور اُس کے رد عمل میں کاروباری اور صنعت کاروں کی کاغذات میں ہیرا پھیری اور بدعنوانی کے رخنوں سے ملکی معیشت کا گھمبیر پین دن بہ دن بڑھتا رہا جس کے نتیجہ میں وطن کو ایڈ کی ہیروان لگ گئی اور وطن عزیز تجارت کی بجائے غیر ملکی مصنوعات کی مارکیٹ بننے لگا جس سے امریکا و بھارت کی خواہش دیرینہ پوری ہونے لگی۔ ہمارے حکمرانوں کی اکثریت اب تک ٹریڈ کی بجائے ایڈ کو ترجیح دیتی رہی، اگر کسی حکمران نے ٹریڈ کی بھی تو وہ اُس کی ذاتی تجارت رہی یعنی اُس نے مفادات کی ڈھلوان وطن عزیز کی بجائے اپنے خاندان، اقرباء اور دوستوں کی طرف ہی رکھی۔

تازہ ترین حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک مرتبہ نیٹو سپلائی روکنے کا اچھا کام شروع کر دیا گیا ہے تو اب حکمران جہاں ملک کے تاجروں اور صنعت کاروں سے خوشدلانہ اور مخلصانہ تعاون طلب کریں وہاں اساکرے پاکستان بھی امریکی امداد لینے سے اپنے شعار (Motto) یعنی ایمان، تقویٰ، جہاد فی سبیل اللہ کے تحت جذبہ ایمانی کے ساتھ انکار کرنے کا نعرہ مستانہ لگا دے۔ تو ان شاء اللہ پاکستانی عوام اپنی متاع عزیز یعنی افواج پاکستان کی ہر ضرورت پوری کرنے کی سعادت سے بہرور ہونے کو بہ طیب خاطر آمادہ ہوں گے۔

﴿رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَ ثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَ انصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾ [البقرة: ۲۵۰]

تفسیر سورة الصّٰفّٰت

مولانا ارشاد الحق اثری رحمہ اللہ

جہنم کے فرشتوں کی طرح جب ان کے سامنے معراج کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ نے کیا تو انھوں نے فتنہ کھڑا کر دیا، دیکھو جی ایک رات میں بیت المقدس اور آسمان کی سیر کا دعویٰ حقیقت پر مبنی ہو سکتا ہے! ان کی اسی فتنہ گری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّعَىٰ يَا آلِ بْنِكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ وَ

الشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ﴾ [بنی اسرائیل: ۶۰]

”اور ہم نے وہ منظر جو تجھے دکھایا، نہیں بنایا مگر لوگوں کے لیے

آزمائش اور وہ درخت بھی جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے۔“

انھوں نے معراج کا بھی مزاق اڑایا اور شجر ملعونہ کا بھی۔ یہاں

اس درخت سے وہی زقوم مراد ہے۔

اسے ملعونہ اس لیے کہا گیا کہ اس کی جڑ قصر جہنم میں ہے اور وہ جہنم

کا درخت ہے۔ اور جہنم اللہ تعالیٰ کے غضب کا مظہر ہے۔ رحمت اس

سے دور ہے اسی طرح جس پر اللہ کی لعنت ہو وہ بھی رحمت سے دور ہوتا

ہے۔ یا یہ کہ اس درخت کو کھانے والے کافر و مشرک چونکہ ملعون ہوں

گے اس لیے اس درخت کو بھی ملعون قرار دیا گیا ہے۔ جیسے شراب اور

شراب پینے والوں پر لعنت فرمائی گئی ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ”فتنہ“ سے مراد یہاں عذاب ہے کہ یہ درخت

ظالموں کے لیے عذاب کا باعث ہوگا۔ فتنہ ”فتن“ سے ہے جس

کے اصل معنی سونے کو آگ میں پگھلانے کے ہیں تاکہ اس کا کھراکھوٹا

ہونا معلوم ہو جائے۔ اس لحاظ سے یہ کسی انسان کو آگ میں ڈالنے

کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ (مفردات)

قرآن مجید میں ہے:

﴿يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ ۖ ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ ۖ

جب کفار مکہ کو خبردار کیا گیا ہے کہ جہنم میں کھانے کے لیے زقوم کا درخت ہوگا تو انھوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا کہ آگ تو درخت کو کھا جاتی ہے بھلا آگ میں درخت کا تصور ہی کیا ہے؟ ان کے اسی تعجب اور مذاق کی طرف یوں اشارہ بیان ہوا ہے:

﴿إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِلظَّالِمِينَ﴾ ہم نے اس درخت کے ذکر

کو ظالموں کے لیے آزمائش بنایا۔ انھوں نے اس سے عبرت حاصل

کرنے کی بجائے ان اس کا مذاق اڑایا کہ کیسی دوزخ، جس میں

درخت بھی ہوگا؟ یوں یہ درخت ان کے لیے فتنہ اور ان کے تہمیدیں

مزید اضافے کا سبب بن گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑانے

کے لیے تو انھیں کوئی بہانہ چاہیے تھا، دوزخ میں زقوم کے درخت سے

یہ نیا بہانہ مل گیا کہ سنو! جہنم میں درخت بھی ہوگا۔

یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے جہنم کے داروغوں کے بارے میں

جب بتلایا گیا کہ وہ اُنس (۱۹) ہوں گے تو انھوں نے اس کا بھی مذاق

اڑایا اور کلدہ بن اُسید نے کہا قریشیو! دو کو تم سنبھال لینا باقی سترہ کے

لیے میں کافی ہوں۔ کلدہ کو اپنی قوت پر بڑا ناز تھا جس کے بارے میں کہا

گیا ہے کہ وہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا پھر دس طاقت ور شخص مل کر

اس کے پاؤں تلے سے چمڑے کو نکالنا چاہتے تو چمڑا ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا

مگر اس کے قدموں میں جنبش بھی نہ ہوتی۔ اسی حوالے سے فرمایا گیا ہے:

﴿وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَكَةً ۖ وَمَا جَعَلْنَا

عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا﴾ [المدثر: ۳۱]

”اور ہم نے جہنم کے محافظ فرشتوں کے علاوہ اور کوئی نہیں

بنائے اور ان کی یہ تعداد صرف کافروں کی آزمائش کے لیے

بنائی ہے۔“

هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿١٤﴾

[الذاریت: ۱۳، ۱۴]

”جس دن وہ آگ پر تپائے جائیں گے۔ اپنے چلنے کا مزہ چکھو، یہی ہے جسے تم جلدی مانگتے تھے۔“

عقل کے پجاری جس طرح قیامت قائم ہونے اور انسان کے دوبارہ زندہ ہونے اور حساب کتاب کے لیے حاضر ہونے کو عقل کے خلاف سمجھتے تھے اسی طرح جہنم میں زقوم کے درخت کو بھی عقلی طور پر تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے بلکہ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ وہ اپنی کم عقلی میں ایسی چیز کو جھٹلا رہے تھے جو ایک شدنی حقیقت ہے اور جس سے انھیں بہر حال سابقہ پڑنا ہے۔

آگ میں درخت ہی نہیں سانپ اور بچھو بھی تو ہوں گے۔ لوہے کی زنجیریں ہوں گی عذاب کے فرشتے ہوں گے۔ آگ انھی کو جلانے گی جن کو جلانے کا حکم ہوگا۔ فرشتے جہنم سے گناہ گاروں کو نکال باہر کریں گے۔ حتیٰ کہ گناہ گار نمازی جہنم میں ہوگا جہنم اسے جلانے کی مگر سجدہ کی جگہ کو جلانا اس کے لیے حرام قرار دیا گیا ہے۔

(بخاری: ۸۰۶، مسلم: ۱۸۲)

آگ پر حکم خالق آگ کا ہوگا۔ دُنیا میں بھی نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے آگ کو ان کے لیے ٹھنڈا اور سلامتی والا بنادیا تھا۔ اسی طرح اسود عسی منبتی نے حضرت ابومسلم خولانی کو آگ میں ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آگ کو ان کے لیے بھی گلزار بنادیا۔ اس لیے آگ میں درخت کا ہونا علماً و عقلاً محال نہیں مگر کفار اپنی کم عقلی میں اس کا مذاق اڑاتے تھے۔

جس طرح کفار کو امور آخرت پر یہ اشکال تھا اور انھیں عقلاً تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے اسی طرح ملحدین اور بعض بدعتی لوگ قیامت کو تسلیم کرنے کے باوجود قیامت کے بعض معاملات کو تسلیم نہیں کرتے۔ جیسے پل صراط یا وزن اعمال ہے۔ عذاب قبر کو بھی تسلیم نہیں کرتے حالانکہ قرآن و سنت کو نصوص اس بارے میں ثابت ہیں اور

تمام سلف ان کے قائل رہے ہیں۔ اس لیے جب ایک حقیقت کتاب و سنت سے ثابت ہو تو محض عقلی بنیادوں پر اس کا انکار گمراہی ہے۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ اس کو تسلیم کیا جائے۔

بقیہ: اربعین اعتقادی

۱۲: جنت اور جہنم برحق ہیں، یہ کوئی خیالی چیزیں نہیں، ان کا وجود حقیقی ہے۔

۱۳: تمام انبیاء برحق ہیں حضرت محمد ﷺ سے قبل تمام انبیاء کی نبوت سچی تھی اور مجمل طور پر ان پر ایمان لانا لازم ہے۔

۱۴: محمد ﷺ برحق ہیں، انبیاء کرام میں آپ شامل ہیں، آپ کی تعظیم کے لیے آپ کا الگ ذکر ہوا ہے۔ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ آپ اپنے خصائص میں سب سے فائق تر ہیں اور اس سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ محمد عربی ﷺ آخری رسول ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

۱۵: قیامت برحق ہے، اس سے قیامت کا اثبات ہو رہا ہے۔

۱۶: ان تمام مذکورہ اشیاء کے ساتھ لفظ حق کا تکرار مبالغہ فی التکید کے لیے ہے ان کو برحق اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ ان سب کا متحقق ہونا لازمی ہے۔ ان پر ایمان و تصدیق واجب ہے۔

۱۷: ان کلمات میں اللہ تعالیٰ کی معرفت، عظمت، عظیم قدرت، اس کے حقوق کا اعتراف اور اس کے وعدہ و وعید کا اقرار شامل ہے۔

مولانا عبدالرشید مجاہد آبادی کے لیے

دُعائے صحت

بزرگ عالم دین، استاد الاساتذہ حضرت مولانا عبدالرشید مجاہد آبادی رحمہ اللہ ان دنوں شدید علیل ہیں۔ قارئین سے درخواست ہے کہ ان کی صحت و تندرستی کے لیے خصوصی دُعا فرمائیں۔

اللہم اشفہ شفاء کاملًا عاجلاً۔ (ادارہ)

اربعین اعتقادی

درس
حدیث

۷

فرائد الفوائد في جمع الأربعين من أحاديث العقائد

باب: وجوب الإیمان بالرسول إجمالاً،
لقوله تعالى:

﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَ
الْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ [النساء: ۱۳۶]

۲۳: عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال:
كان النبي ﷺ إذا قام من الليل يتعبد قال:

اللهم لك الحمد، أنت قيم السموات
والأرض ومن فيهن، ولك الحمد، لك
ملك السموات والأرض ومن فيهن، ولك
الحمد، أنت نور السموات والأرض،
ولك الحمد أنت ملك السموات
والأرض، ولك الحمد أنت الحق،
ووعدك الحق، ولقاؤك حق، وقولك
حق، والجنة حق، والنار حق، والنبون
حق، ومحمد حق، والساعة حق.....

إلخ. (صحيح بخاری، رقم الحديث: ۱۱۴۰)

مجمّل طور پر تمام رسولوں پر ایمان لانا واجب ہے:

۲۳: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

جب رات کو تہجد پڑھنے اٹھتے تو فرماتے:

”اے اللہ! تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں، تو آسمان زمین اور
جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا مدبر ہے، اور ہر طرح کی
تعریف تیرے لیے ہی ہے۔ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ
ان کے درمیان ہے ان کی بادشاہی تیرے لیے ہے، تیرے

لیے ہی تعریف ہے، تو آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اور
تیرے لیے ہی تعریف ہے تو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے
اور تیرے لیے ہی تعریف ہے، نور حق ہے اور تیرا وعدہ حق
ہے، تیری ملاقات برحق ہے، تیرا قول حق ہے اور جنت برحق
ہے اور دوزخ برحق ہے اور تمام انبیاء برحق ہیں اور محمد برحق
ہیں اور قیامت برحق ہے..... إلخ۔“

فوائد:

۱: گزشتہ انبیاء و رسل پر مجمل طور پر ایمان لانا ضروری ہے۔ انبیاء کی
نبوت کا انکار گمراہی ہے۔

۲: نبی کریم ﷺ تہجد کا اہتمام کیا کرتے تھے اور تہجد میں مذکورہ بالا
دعا پڑھا کرتے تھے۔

۳: یہ حدیث جوامع الکلم سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا ہر جملہ تفصیل
کا متقاضی ہے۔

۴: رسول اللہ ﷺ انتہائی متواضع شخصیت کے مالک تھے۔

۵: رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی خوب حمد کیا کرتے تھے۔

۶: تمام تعریفات کا سزاوار صرف اور صرف اللہ عزوجل ہے۔

۷: آسمان زمین اور ہر چیز کی بادشاہی اسی اللہ کے پاس ہے۔

۸: ”الحق“ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، جو صرف اسی کے لیے خاص
ہے۔

۹: اللہ تعالیٰ کا ہر وعدہ سچا اور برحق ہے۔

۱۰: رب کی ملاقات برحق ہے اس سے بعثت بعد الموت کا اقرار ہوتا ہے۔

۱۱: اللہ کا قول برحق ہے، اس میں اس کی صفت کلام کا ثبوت ہے۔

(باقی صفحہ نمبر ۶ پر ملاحظہ کیجیے)

اللہ تعالیٰ اور بندے کی آپس میں محبت

اور اہل السنۃ والحدیث کے نزدیک اس کا معنی

موہب الرحیم

ان سے محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے،
مومنوں پر بہت نرم، کافروں پر بہت سخت ہوں گے۔“
﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾ [آل
عمران: ۳۱]

”تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے
محبت کرے گا اور تمہارے لیے تمہارے گناہ بخش دے گا۔“
ان دونوں آیات میں اللہ کی بندے سے اور بندے کی اللہ سے
محبت کا اثبات ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًا
كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُورٌ﴾ [الصف: ۴]
”بے شک اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں
صف باندھ کر لڑتے ہیں جیسے وہ ایک سیسہ پلائی عمارت
ہوں۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ [المائدة: ۴۲]
”بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“
﴿وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ﴾ [التوبة: ۱۰۸]
”اور اللہ طہارت اختیار کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“
﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ [المائدة: ۱۳]
”بے شک اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“
﴿وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ [آل عمران: ۱۴۲]

انسان نے جس بہترین خصلت کا کسب کیا ہے وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ
کی محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت انسان کو حاصل ہو جائے تو یہ انسان
کے لیے سب سے بڑا شرف ہے۔ محبت کی تفصیل جاننے سے قبل اس
بات کا جاننا لازمی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں سے اور اللہ کے
نیک بندے اس سے محبت کرتے ہیں۔

قرآن پاک کی کئی ایک نصوص اس بات پر دلالت کرتی ہیں، کئی
ایک احادیث میں اللہ کی یہ صفت بیان ہوئی ہے، اللہ کے اسماء حسنی
میں سے ایک نام ”الودود“ ہے امام بخاری نے اس کا معنی ”الحبيب“
بیان کیا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَندَادًا
يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا
لِلَّهِ﴾ [البقرة: ۱۶۵]

”اور لوگوں میں سے کچھ وہ ہیں جو غیر اللہ میں سے کچھ
شریک بنا لیتے ہیں، وہ ان سے اللہ کی محبت جیسی محبت کرتے
ہیں اور وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ سے محبت میں کہیں زیادہ
ہیں۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ
فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٌ عَلَى
الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ [المائدة: ۵۴]
”اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم میں سے جو کوئی اپنے
دین سے پھر جائے تو اللہ عنقریب ایسے لوگ لائے گا کہ وہ

”اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“
 ﴿... إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا
 فَخُورًا﴾ [النساء: ۳۶]
 ”بلاشبہ اللہ تکبر کرنے والے، بہت فخر کرنے والے سے
 محبت نہیں کرتا۔“
 ﴿... ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ اتَّبَعُوا مَا آسَخَطَ اللَّهُ وَكَرِهُوا
 رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ﴾ [محمد: ۲۸]
 ”یہ اس لیے کہ بے شک انھوں نے اس چیز کی پیروی کی
 جس نے اللہ کو ناراض کر دیا اور اس کی خوش نودی کو بُرا جانا تو
 اس نے ان کے اعمال ضائع کر دیے۔“
 ﴿... كُلُّ ذَلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ
 مَكْرُوهًا﴾ [بنی اسرائیل: ۳۸]
 ”یہ سب کام، ان کا برا تیرے رب کے ہاں ہمیشہ سے
 ناپسندیدہ ہے۔“

جمیہ، معتزلہ، اشاعرہ اور ماتریدیہ اور بعض مسائل میں ان کی
 متابعت کرنے والے ان نصوص کی تاویل کرتے ہیں جس طرح وہ
 توحید و تنزیہ کی آڑ لے کر باقی صفات کی تاویل کرتے ہیں۔
 محبت کا لفظ چونکہ کئی جگہ پر قرآن و حدیث میں وارد ہوا ہے اس
 لیے اس لفظ کا انکار تو متکلمین کے لیے ممکن نہیں ہوا مگر انھوں نے اس
 معنی کی تاویل کی اور کو ارادہ سے تعبیر کیا، جیسا کہ اشاعرہ کا مذہب ہے،
 یا نفسِ ثواب سے، جیسا کہ معتزلہ کا موقف ہے۔

وہ شخص جس سے سب سے پہلے محبت کا انکار جانا گیا وہ جعد بن
 درہم ہے۔ امام عثمان بن سعید الدارمی نے اپنی سند سے بیان کیا ہے
 کہ خالد بن عبد اللہ القسری نے عید کے روز خطبہ دیا اور کہنے لگا:
 ”ایہا الناس! اضحوا تقبل اللہ ضحایا کم
 فانی مضح بجعد بن درہم فانہ زعم ان اللہ
 لم یکلم موسیٰ تکلیما ولم یتخذ اللہ
 ابراہیم خلیلا.“ (الرد علی الجہیمہ،

ص: ۱۷ وفی سندہ کلام)
 ”اے لوگو! قربانی کرو؛ اللہ تمہاری قربانیوں کو قبول کرے،
 میں جعد بن درہم کو ذبح کرنے لگا ہوں۔ اس کا خیال ہے کہ
 اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام نہیں کیا اور نہ ہی ابراہیم علیہ السلام کو اللہ
 نے اپنا خلیل بنایا ہے۔“ پھر منبر سے اترے اور اس کو ذبح کیا۔
 خلت محبت کے توابع میں سے ہے اور محبت کا عظیم ترین درجہ ہے جعد
 کے بعد اس کے پیروکاروں نے اسی طرح خلت وغیرہ کی تاویل کی۔
 متکلمین کے نزدیک محبت کا معنی:

ابوالقاسم القشیری الشافعی الاشعری الصوفی (م ۴۶۵ھ) محبت
 کے بارے میں لوگوں کے مذاہب کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
 ”والمحبة علی لسان العلماء هی الارادة،
 ولیس مراد القوم بالمحبة الارادة فان
 الارادة لاتتعلق بالقدیم، اللهم الا ان تحمل
 علی ارادة التقرب الیه والتعظیم له. ونحن
 نذكر من تحقیق هذه المسألة ان شاء الله
 تعالیٰ.“

فمحبة الحق سبحانه للعبد ارادته لانعام
 مخصوص علیه کما ان رحمته له ارادة
 الانعام فالرحمة اخص من الارادة والمحبة
 اخص من الرحمة. فارادة الله تعالیٰ لان
 یوصل الی العبد الثواب، والانعام تسمى
 رحمة. و ارادته لان یخصه بالقربة
 والاحوال العلیة تسمى محبة. و ارادته سبحانه
 صفة واحدة فبحسب تفاوت متعلقاتها تختلف
 أسماءها فاذا تعلقت بالعقوبة تسمى غضبا
 واذا تعلقت بعموم النعم تسمى رحمة واذا
 تعلقت بخصوصها تسمى محبة. وقوم
 قالوا: محبة الله سبحانه للعبد مدحه له

و ثناؤه عليه بالجميل فيعود معنى محبته له
على هذا القول الى كلامه وكلامه قديم .
وقال قوم: محبته للعبد من صفات فعله فهو
احسان مخصوص يلقي الله العبد به ،
وحالة مخصوصة يرقيه اليها كما قال
بعضهم: ان رحمته بالعبد نعمة معه . وقوم
من السلف قالوا: محبته من الصفات الخيرية ،
فأطلقوا اللفظ وتوقفوا عن التفسير . فاما
ماعداء هذه الجملة مما هو المعقول من
صفات محبة الخلق ، كما لميل الى الشيء
والاستئناس بالشيء وكحالة يجدها
المحب مع محبوبه من المخلوقين فالقديم
سبحانه يتعالى عن ذلك .

(الرسالة القشيرية ، ص: ۳۴۸ ، ۳۴۹)

”محب علماء کی زبان پر ارادہ کا نام ہے۔ جب کہ قوم
(صوفیہ) کی مراد محبت سے ارادہ نہیں، کیونکہ ارادہ قدیم
سے تعلق نہیں رکھتا۔ الا یہ کہ ارادہ کو اللہ کے قریب ہونے اور
اس کی تعظیم کرنے کے ارادے پر محمول کیا جائے ہم ان شاء اللہ
اس مسئلہ کی تحقیق ذکر کرتے ہیں۔

سو اللہ کی بندے سے محبت، بندے پر خاص انعام کا ارادہ
کرنا ہے جیسا کہ اس کی رحمت (عام) انعام کا ارادہ ہے،
رحمت ارادہ سے احض ہے اور محبت رحمت سے احض ۔

پس اللہ کا بندے کو ثواب دینے اور اس پر انعام کرنے کا
ارادہ کرنا رحمت کہلاتا ہے اور اس کو قربت اور بلند احوال سے
خاص کرنا محبت کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ایک صفت
ہے، اپنے متعلقات کے اعتبار سے اس کے نام مختلف ہوتے
ہیں، جب سزا سے متعلق ہو تو ”غضب“ عام نفع سے متعلق
ہو تو ”رحمت“ خاص نفع کے متعلق ہو تو ”محبت“ کہلاتا ہے۔

ایک قوم کا کہنا ہے: اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت اس کا
بندے کی تعریف کرنا، اس پر ثنا کرنا ہے۔ اس قول کے
مطابق اس کی محبت کلام کی طرف لوٹی ہے اور اس کا کلام
قدیم ہے۔

ایک قوم نے کہا ہے کہ اللہ کی بندے سے محبت صفات فعل
سے ہے، سو محبت ایک خاص احسان ہے جو اللہ بندے پر کرتا
ہے اور ایک خاص حالت ہے جس تک وہ بندے کو پہنچاتا
ہے۔ جیسا کہ بعض نے کہا ہے کہ اس کی رحمت بندے کے
ساتھ نعمت کی معیت میں ہوتی ہے۔

سلف میں سے ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ اُس کی محبت
صفات خبریہ میں سے ہے انھوں نے لفظ کو مطلق رکھ کر تفسیر
سے توقف اختیار کیا ہے۔ ان تمام باتوں کے علاوہ مخلوق کی
محبت سے جو معقول چیزیں ہیں مثلاً کسی چیز کی طرف میلان،
کسی کے ساتھ مانوس ہونا اور وہ حالت جو محبت کرنے والا
مخلوق میں سے اپنے محبوب کے ساتھ پاتا ہے۔ تو قدیم
(اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے۔“

علامہ قشیری نے جن مذاہب کا ذکر کیا ہے سلف کے مذہب کے
علاوہ وہ تمام مذاہب درست نہیں ہیں بلکہ باطل پر مشتمل ہیں۔
بندے کی اللہ سے محبت اور اللہ کی بندے سے محبت دونوں کے
متعلق ذکر کردہ مذاہب اہل سنت کے مذہب سے موافقت نہیں
رکھتے۔

اہل السنۃ والحدیث کی اصل یہ ہے کہ اللہ محبت کرتا ہے اور اس سے
محبت کی بھی جاتی ہے۔ پھر اگر علامہ قشیری کی مراد سلف میں سے اہل
بدعت کو چھوڑ کر قرونِ ثلاثہ کے ائمہ اور مسلمین مراد ہیں تو ان میں سے
بعض نہیں بلکہ سبھی اللہ کی محبت کی تاویل نہیں کرتے تھے۔ بلکہ احادیث
کے سامنے سرتسلیم خم کرتے تھے۔

محبت کو ارادہ کی نوع سے تعبیر کرنا ہی درست نہیں چہ جائے کہ اس
کی بابت گفتگو کی جائے کہ ارادہ قدیم سے تعلق نہیں رکھتا۔

فقیل وهو المشهور انه الذات ای مریدین
ذاته تعالیٰ ومعنی ارادة الذات علی ماقیل
الاخلاص لها بناء علی استحالة کون الله
تعالیٰ مراداً لذاته سبحانه وتعالیٰ لان
الارادة صفة لا تتعلق الا بالممکنات لانها
تقتضي ترجیح احد طرفی المراد علی
الآخر وذلک لا یعقل إلا فیها ای یدعون
ربهم مخلصین له سبحانه فیه .“

(روح المعانی: ۱۶۰/۷)

”تاویل کرنے والوں کے ہاں ”وجہ“ (چہرہ) سے مراد میں
اختلاف ہے، مشہور قول کے مطابق اس سے مراد ”ذات“
ہے یعنی اللہ کی ذات کا ارادہ کرنے والے۔ اور کہے گئے
قول کے مطابق ذات کے ارادے کا معنی اس کے لیے
اخلاص ہے۔ اس بنیاد پر کہ اللہ کا مراد لذاتہ ہونا محال ہے
کیونکہ ارادہ ایسی صفت ہے جو صرف ممکنات سے تعلق رکھتی
ہے کیونکہ ارادہ مراد کی ایک طرف کا دوسری طرف پر رائج
ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور یہ معنی صرف ممکنات میں ہی
معتقول ہے۔“

ایک اور جگہ رقم طراز ہیں:

”ومحبة العباد لله تعالیٰ عند جمهور
المتکلمین نوع من الارادة سواء قلنا انها
نفس الميل التابع لا اعتقاد النفع كما هو رأي
المعتزلة أو صفة مريحة مغایرة له كما هو
مذهب اهل السنة فلا تتعلق الا بالجائزات
ولا يمكن تعلقها بذاته تعالیٰ فمحبة العبد له
سبحانه ارادة طاعته وتحصیل

مراضیه .“ (روح المعانی: ۳۴/۲)

”اور بندوں کی اللہ سے محبت جمہور متکلمین کے نزدیک ارادہ

مگر اس سے پہلے یہ سمجھیں کہ متکلمین کے نزدیک ارادہ کیا ہے؟
معتزلہ کے نزدیک ارادہ نفع کے اعتقاد یا ظن کے تابع میلان ہے۔
فلاسفہ کے نزدیک فعل کی طرف میلان کا نام ارادہ ہے۔ جب کہ
اشاعرہ کے نزدیک ارادہ ”صفة مخصوصة لاحد طرفی المقدور“ ہے۔ یعنی
یہ ایسی صفت ہے جو مقدور کی دو طرفوں (فعل یا ترک) میں سے ایک
کو خاص کرتی ہے۔ انسان جس چیز پر قدرت رکھتا ہے اس کو کرنا
چاہے تو کر لیتا ہے، نہ کرنا چاہے تو نہیں کرتا۔ ان دونوں میں سے جو
صفت ایک چیز کو خاص کرتی ہے وہ ارادہ کہلاتی ہے۔

اشاعرہ کہتے ہیں کہ ارادہ صرف نفع کا اعتقاد یا اس کے تابع
میلان کا نام نہیں ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کسی چیز کے نفع کا گمان رکھتا ہے مگر اس
کا ارادہ نہیں کرتا بلکہ نفع وغیرہ کے اعتقاد سے ارادہ پیدا ہوتا ہے جو
اعتقاد کے نفع کے تابع میلان سے ہوتا ہے اور معلوم شد کہ انسان اللہ
تعالیٰ کی ذات پر اس اعتبار سے قدرت نہیں رکھتا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ
اس کی ذات سے ارادہ متعلق ہو۔ ارادہ صرف ممکنات سے تعلق رکھتا
ہے۔ ممکنات سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کا وجود یا عدم عقلاً جائز ہو۔
اس کی توضیح یہ ہے کہ اگر ارادہ واجب الوجود سے متعلق ہو تو یا عدم کے
اعتبار سے ہو گا یا وجود کے اعتبار سے، اگر وجود کے اعتبار سے ہو تو
تحصیل حاصل لازم آئے گا اور اگر عدم کے اعتبار سے ہو تو یہ ممکن نہیں
کیونکہ مراد واجب الوجود ہے۔ اس کی ذات پر عدم ممکن نہیں۔

اسی طرح اگر ایسی چیز جس کا وجود ممکن نہیں اس سے ارادہ تعلق
رکھے تو اگر عدم کے اعتبار سے ہو تو تحصیل حاصل لازم آتا ہے، اگر
وجود کے اعتبار سے ہو تو یہ ممکن نہیں کیونکہ اس کا وجود جائز ہی نہیں، مستحیل
ہے اور عقلاً متنع ہے۔ یہی وہ وجہ ہے جس کے سبب ارادہ قدیم سے تعلق
نہیں رکھتا۔ ارادہ کی تعریف کے لیے دیکھیں شرح الموقف (۶۸/۵)

شرح المقاصد (۹۴/۲) المطالب العالیہ للرازی (۱۷۳/۳)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

”وفی المراد بالوجه عند المؤولین خلاف،

اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اعتنا اور توجہ کرنا ہے۔ اور اللہ کی بندے سے محبت بندے کے اکرام کا ارادہ اور اس سے اطاعت کرنا اور گناہوں سے بچانے کا ارادہ ہے۔“

بیضاوی ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

”ومحبة الله تعالى للعباد ارادة الهدى والتوفيق لهم في الدنيا وحسن الثواب في الآخرة ومحبة العباد له ارادة طاعته والتحرز عن معاصيه.“ (۲۸۰/۱)

”اور اللہ کا بندے سے محبت کرنا، ان کی ہدایت کا ارادہ، دنیا میں ان کو توفیق اور آخرت میں ان کو اچھا ثواب دینا ہے۔ جب کہ بندے کی اس سے محبت، اس کی اطاعت کا ارادہ کرنا اور گناہوں سے اجتناب کرنا ہے۔“

ابوالسعود محمد بن محمد العمادی (م ۹۵۱ھ) لکھتے ہیں:

”ومحبة العبد لله سبحانه ارادة طاعته في اوامره ونواهيه والا عتناء بتحصيل مرضيه فمعنى يحبونهم: يطيعونهم ويعظمونهم.“ (ارشاد العقل السليم الى مزايا القرآن الكريم: ۱/۱۸۵)

”اور بندے کی اللہ سے محبت اس کے اوامر و نواہی میں اس کی اطاعت کا ارادہ کرنا اور اس کی رضا مندی کے حصول سے اعتنائی برتنا ہے سو وہ اس سے محبت کرتے ہیں“ کا معنی ہے: اس کی اطاعت و تعظیم کرتے ہیں۔“

اسماعیل حقی البرسوی (م ۱۱۳۳ھ) کا کہنا ہے:

”ومحبة العبد لله تعالى ارادة طاعته في اوامره ونواهيه والا عتناء بتحصيل مرضيه ومحبة الله للعباد ارادة اكرامه واستعماله في الطاعة وصونه عن المعاصي.“

(روح البیان: ۱/۲۷۰)

کی نوع ہے خواہ ہم کہیں کہ ارادہ نفع کے اعتقاد کے تابع میلان کا نام ہے جیسا کہ معتزلہ کی رائے ہے یا اس سے مختلف ترجیح دینے والی صفت ہے جیسا کہ اہل السنۃ کا مذہب ہے، سو جو نزات کے سوا کے ساتھ ارادہ کی صفت تعلق نہیں رکھتی اور اللہ کی ذات سے اس کا تعلق ممکن نہیں۔ پس بندے کی اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے محبت اس کی اطاعت کا ارادہ اور اس کی رضامندی کو حاصل کرنے کا ارادہ ہے۔“

یاد رہے کہ علامہ آلوسی کا محبت کے بارے یہ قول نہیں ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

بیضاوی (م ۷۹۱ھ) اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”يحبونهم: يعظمونهم ويطيعونهم. كحب الله: كتعظيمه والميل إلى طاعته أي يسوون بينه وبينهم في المحبة والطاعة، والمحبة ميل القلب عن الحب استعير لحنة القلب ثم اشتق منه الحب لانه أصابها ورسخ فيها ومحبة العبد لله تعالى ارادة طاعته والا عتناء بتحصيل مرضيه ومحبة الله للعباد ارادة اكرامه واستعماله في الطاعة وصونه عن المعاصي.“ (۹۵/۱)

”وہ ان سے محبت کرتے ہیں: ان کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کی اطاعت کرتے ہیں۔ اللہ سے محبت کرنے کی طرح: اس کی تعظیم کی طرح اور اس کی اطاعت کی طرف مائل ہونے کی طرح یعنی اس کے اور ان کے درمیان برابری کرتے ہیں محبت اور اطاعت میں۔ محبت دل کے میلان کو کہتے ہیں جو کہ ”الحب“ (دانہ) سے ہے دل کی روح (دانہ) کے لیے اس کو مستعار لیا گیا پھر اسی سے الحب مشتق ہوا کیونکہ وہ اس کے دل کی روح کو پہنچ گیا ہے اور اس میں راسخ ہو گیا ہے۔ اور بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت اس کی اطاعت کا ارادہ اور

ابو حیان اندلسی احب منتخب سے اپنی تفسیر البحر المحیط میں نقل کرتے ہیں:

”جمهور المتكلمين على ان المحبة نوع من انواع الارادة لا تعلق لها الا بالجائزات فيستحيل تعلق المحبة بذات الله وصفاته فاذا قلنا يحب الله فمعناه يحب طاعة الله وخدمته وثوابه واحسانه.“ (۴۷۱/۱)

”جمهور متكلمين كالمذهب یہی ہے کہ محبت ارادہ کی انواع میں سے ایک نوع ہے جو صرف جائزات سے متعلق ہے سو محبت کا اللہ کی ذات اور اس کی صفات سے تعلق ناممکن ہے۔ جب ہم کہیں کہ وہ اللہ سے محبت کرتا ہے تو اس کا معنی ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت، اس کی خدمت، اس کا ثواب اور اس کے احسان کو پسند کرتا ہے۔“

عبدالجبار، جو معتزلہ کے ہاں ”قاضی القضاة“ سے ملقب ہیں، کہتے ہیں:

”حب العبد لله تعظيمه والتمسك بطاعته وحب الله للعبد ارادة الثناء عليه واثابته، واصل الحب في اللغة اللزوم لان المحب يلزم حبيبه ما امكن.“

(البحر المحیط: ۴۷۰/۱)

”بندے کی اللہ سے محبت؛ اس کی تعظیم اور اس کی اطاعت کا تمسک کرنا ہے اور اللہ کی بندے سے محبت؛ اس کو ثواب دینا اور ثواب کا ارادہ کرنا ہے۔ لغت میں محبت کی اصل لزوم ہے کیونکہ محبت کرنے والا بہ قدر امکان اپنے محبوب کو لازم پکڑتا ہے۔“

شریف مرتضیٰ علی بن حسین الرافضی المعتزلی (م ۴۳۶ھ) لکھتا ہے:

”نصف الله تعالى بانه يحب اولياءه والمؤمنين من عباده، والمعنى فيه انه يريد لهم ضرور الخير من التعظيم والا جلال

والنعم، فاما وصف احد نابا نه يحب الله تعالى فالمعنى فيه انه يريد تعظيمه وعبادته والقيام بطاعته.“ (غرر الفوائد ودرر القلائد المعروف بأمالی المرتضی: ۲۰۴/۱)

”ہم اللہ کو اس بات سے متصف کرتے ہیں کہ وہ اپنے اولیاء اور اپنے ایمان دار بندوں سے محبت کرتا ہے۔ مگر اس کا معنی یہ ہے کہ وہ خیر کی مختلف قسمیں، تعظیم، شرف اور نعمتوں کا ان کے لیے ارادہ کرتا ہے۔ جب کہ ہم میں سے کسی کا اس بات سے متصف ہونا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اُس کی تعظیم، عبادت اور اطاعت میں لگے رہنے کا ارادہ کرتا ہے۔“

محمود بن عمر الزمخشری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”محبة العباد لربهم طاعته وابتغاء مرضاته وان لا يفعلوا ما يوجب سخطه وعقابه، ومحبة الله لعباده أن يشبههم احسن الثواب على طاعتهم ويعظمهم ويشني عليهم ويرضى عنهم.“ (الكشاف: ۴۲۱/۱)

”بندوں کی اپنے رب سے محبت اس کی اطاعت کرنا، اس کی رضا مندی کی تلاش کرنا ہے اور یہ کہ وہ ایسے کام نہ کریں جو اس کی ناراضی اور سزا کو واجب کریں۔ اور اللہ کی اپنے بندوں سے محبت یہ ہے کہ وہ ان کو بہترین ثواب دے ان کی اطاعت کے بدلے اور ان کی تعظیم کرے اور ان پر ثنا کرے اور ان سے راضی ہو۔“

مذکورہ حوالہ جات سے یہ واضح ہے کہ ان کے نزدیک محبت ارادہ کی قسموں میں سے ایک قسم ہے بلکہ تفسیر خازن والے نے تو محبت کی تعریف ہی یہ کی ہے:

”المحبة: ارادة ماتراه أو تظنه خيرا.“ (۵۴/۲)

صوفیاء ان لوگوں سے معارضہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صرف

خالق ہی تو ایسی ذات ہے جو محبوب لذاتہ ہے ہر طرح کا کمال اور جمال اسی کے لیے ہے، وہی محبت کا مستحق ہے۔

ابن المنیر ”انصاف“ (۱/۴۲۱، مع الکشاف) میں محمود بن عمر الزخشری کی بات کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس میں کوئی شک نہیں کہ بندے کی اللہ سے محبت کی تفسیر

اس کی اطاعت سے کرنا ظاہر کے خلاف ہے اور اس مجاز کی قبیل سے ہے جس میں مسبب کو سبب کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور حقیقت سے مجاز کی طرف مجاز کے نام ممکن ہونے کے وقت ہی جایا جاتا ہے۔ لغوی طور پر محبت کی حقیقت پر قواعد کے مطابق غور کرنا چاہیے تاکہ دیکھا جائے کہ وہ بندے کے لیے اللہ کے حوالے سے ثابت ہے یا نہیں۔

محبت لغوی طور پر محبت سے متصف شخص کا لذت دینے والی چیز کی طرف میلان ہے۔ اور محبت پر ابھارنے والی کچھ لذتیں مدرک بالجس ہیں: جس طرح کھائی جانی والی چیز میں پکھنے کی لذت، خوب صورت اشیاء کو دیکھنے اور چھونے کی لذت، خوش بُو سونگھنے میں لذت، اچھے نعمات کو سننے میں لذت۔ اور کچھ لذتیں مدرک بالعقل ہیں جیسا کہ جاہ و ریاست اور علوم اور ان جیسی اشیاء کی لذت ہے۔ ثابت ہوا کہ محبت پر ابھارنے والی لذات میں سے بعض حس کے علاوہ صرف عقل سے ہی ادراک کی جاتی ہیں پھر محبت ابھارنے والی چیزیں تفاوت کی وجہ سے لازمی طور پر متفاوت ہیں، انسان کی ایک بستی پر ریاست کی لذت مختلف اقالیم پر ریاست کی لذت کی مانند نہیں اور جب محبت بواعث کے تفاوت کی وجہ سے مختلف درجوں پر ہوئی تو معلومات کے تفاوت کی بدولت علوم کی لذتیں بھی مختلف درجوں کی ہیں، پس کوئی بھی معلوم

معبود برحق سبحانہ و تعالیٰ سے زیادہ اکمل و اجمل نہیں پس اس کی معرفت اور اس کے جلال و کمال کی معرفت میں حاصل ہونے والی لذت سب سے عظیم ہے اور اس سے اٹھنے والی محبت سب سے زیادہ ممکن ہے اور جب یہ محبت حاصل ہو تو

موافقت اور اطاعت پر ابھارتی ہے۔ اس سے یہ بات حاصل ہوئی کہ بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت ممکن ہے بلکہ ہر مومن سے اس کا صدور ہوتا ہے۔ پس یہ ایمان کے لوازمات اور اس کی شروط میں سے ہے اور لوگ اپنے ایمان کے تفاوت کے یہ قدر اس محبت میں متفاوت ہیں۔ اور جب معاملہ یوں ہے تو بندے کی اللہ سے محبت کی تفسیر اس کے حقیقی لغوی معنی میں کرنا واجب ہے اور طاعات و موافقات اس محبت کے سبب سے ہیں اور محبت سے مختلف ہیں۔ کیا تم اس اعرابی کو نہیں دیکھتے جس نے قیامت کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو نے اس کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟“ اعرابی نے جواب میں کہا: کوئی بڑا عمل نہیں سوائے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تو نے محبت کی۔“

سویہ حدیث کہہ رہی ہے کہ اللہ کی محبت کا مفہوم اعمال اور اطاعت کے التزام کے علاوہ کوئی اور چیز ہے کیونکہ اعرابی نے طاعات کی نفی کی اور محبت کا اثبات کیا اور آپ ﷺ نے اس کو اس پر برقرار رکھا۔“

ابن المنیر کی اسی تحقیق سے علامہ آلوسی نے روح المعانی (۱۶۲/۶) میں موافقت کی ہے۔

ابن المنیر کی اس بات سے واضح ہوا کہ ارادہ محبت سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ محبت ارادہ کی نوع ہے۔ اشاعرہ کے محققین کا بھی یہی موقف ہے۔

(جاری ہے)

خطبہ جمعۃ المبارک

۲۰ دسمبر ۲۰۱۳ء کا خطبہ جمعۃ المبارک جامع مسجد قباء بھلولال ضلع سرگودھا میں مولانا قمر الزمان المدنی (فاضل مدینہ یونیورسٹی) ارشاد فرمائیں گے۔ احباب شرکت فرما کر خطاب سے مستفید ہوں۔

(ڈاکٹر فیض الرحمن شاہ، خطیب مسجد ہذا)

مولانا محمد ابراہیم کبیر پوری رحمۃ اللہ علیہ

حافظ حسن محمود کبیر پوری

گیا جہاں آپ نے دارالعلوم تقویۃ الاسلام اور مسجد قدس امرتسر میں حصول علم کی منزلیں طے کیں۔ کچھ عرصہ مدرسہ محمدیہ گوجرانوالہ میں بھی اقامت پذیر رہے۔
اساتذہ کرام:

حافظ صاحب نے اپنے وقت کے جید اساتذہ کرام مولانا محمد عبداللہ بھو جیانی، مولانا عبدالحمید ہزاروی، مولانا محمد خان، استاذ العلماء حافظ محمد گوندلوی، مولانا عطاء اللہ حنیف بھو جیانی، مولانا شریف اللہ خان، شیخ الحدیث مولانا نیک محمد اور شیر پنجاب مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ سے بھرپور استفادہ کیا۔ حافظ کبیر پوری مولانا ثناء اللہ امرتسری کے علم و آگہی، تحقیق و دانش، اخلاص و تقویٰ، ذہانت و فطانت، بحث و مناظرہ، دعوت و ارشاد، حاضر جوابی اور وسیع علم سے بہت متاثر تھے۔

حصول علم کے بعد:

حافظ صاحب جن دنوں حصول علم کی منزلیں طے کر رہے تھے ان ایام میں ملک میں سیاسی ہنگامہ آرائی اور بحث و مناظرہ کے میدان میں بڑی گہما گہمی تھی۔ ایک طرف برصغیر کے لوگ انگریز کی غلامی سے اپنی گردنوں کو آزاد کرانے کی کوششوں میں مصروف تھے تو دوسری طرف انگریز کی شرارت سے ہندو مسلم، شیعہ سنی، حنفی وہابی بریلوی قادیانی کے باہم بحث و مناظرے عروج پر تھے۔ ظاہر بات ہے جو شخص شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ سے متاثر ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اسے ذہانت و فطانت کی دولت بھی پوری فیاضی سے عطا کی ہو وہ بھلا اس ماحول سے متاثر ہوئے بغیر کیسے رہ سکتا ہے۔ چنانچہ حافظ محمد ابراہیم کبیر پوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس دور کے تقاضوں سے نا آشنا نہ تھے بلکہ

حافظ محمد ابراہیم کبیر پوری رحمۃ اللہ علیہ جماعت کے جید عالم، مشہور مصنف، کامیاب مناظر، منجھے ہوئے صحافی، اعلیٰ درجے کے خطیب و مبلغ اور ایک ذہین و فطین شخصیت کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں گونا گوں اوصاف سے نوازا تھا۔

ولادت:

حافظ محمد ابراہیم کبیر پوری ۱۹۲۱ء کو اس جہان رنگ و بو میں تشریف لائے۔ آپ کی ولادت تحصیل انبالہ ضلع امرتسر کے ایک چھوٹے سے گاؤں کبیر پورہ میں ہوئی۔ آپ کے والد گرامی کا نام میاں محمد دین تھا۔ کبیر پورہ ایک ہی خاندان کی بستی تھی۔ کبیر پورہ کی سرزمین سے ہمارے ملک کی ایسی نامی گرامی شخصیات اٹھیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے علم و فضل کی بنا پر عالمی شہرت عطا کی۔ روپڑی بزرگوں کا اصل مرکز بھی کبیر پورہ ہی تھا۔

ابتدائی تعلیم و تربیت:

حافظ محمد ابراہیم کبیر پوری رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تعلیم و تربیت کبیر پورہ ہی میں ہوئی۔ حافظ صاحب کے والدین زمیندار اور نہایت مخلص دین دار تھے۔ خاندانی روایات کے مطابق حافظ صاحب کو حافظ عبدالرحمان برادر صغیر حافظ محمد عبداللہ محدث روپڑی کے سپرد کر دیا گیا۔ حافظ صاحب نے پہلے ان سے ناظرہ قرآن مجید پڑھا۔ پھر قلیل مدت میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ حافظ صاحب نے اپنی زندگی میں تقریباً ۵۵ سال تک ہر رمضان میں مصلیٰ سنایا۔ تاہم آخری سالوں میں بیماری اور کمزوری کی وجہ سے یہ سلسلہ قائم نہ رہ سکا تاہم منزل اور تلاوت کا معمول زندگی بھر جاری رہا۔

تحصیل علم کا آغاز:

خاندانی روایات کے مطابق حافظ صاحب کو مرکز علم امرتسر بھیج دیا

بیان، شوکت الفاظ اور عظمت خیال کی وجہ سے ہمیشہ کامیاب رہے۔ حافظ صاحب کا دوسرا کمال یہ تھا کہ ان کی گفتگو ہمیشہ خشود و زوائد سے پاک ہوتی۔ آپ کبھی اپنے موقف سے ہٹ کر بات نہ کرتے۔ مضمون کی خوب تیاری کر کے آتے۔ وہ اپنی فاضلانہ و عالمانہ گفتگو سے سامعین کی جھولی علم کے قیمتی موتیوں سے بھر دیتے۔

مختلف مذاہب پر عبور و استحضار:

اللہ تعالیٰ نے حافظ صاحب کو علمی قابلیت، تحقیقی ذوق اور تبلیغی جذبے کے ساتھ ساتھ ایک وسیع اور کھلا ذہن بھی عطا کیا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ہندوؤں، سکھوں، یہودیوں، عیسائیوں، قادیانیوں اور منکرین حدیث کے علاوہ دیگر باطل نظریات رکھنے والی قوتیں بھی آپ کا سامنا کرنے سے کتراتیں تھیں۔

کامیاب صحافی: اللہ تعالیٰ نے آپ کو تعلیم و تدریس، دعوت و تبلیغ اور تحریر و تصنیف کی خوبیوں سے یکساں طور پر نواز رکھا تھا۔ سنجیدہ، متین اور دینی صحافت کا بہترین معیار جو بھی ہو سکتا ہے، حضرت حافظ صاحب اس پر پورا اترتے تھے۔ چنانچہ قیام جھنگ کے زمانہ میں جمعیت الانصار کے ترجمان ہفت روزہ صنعتی پاکستان کے طویل عرصہ تک ایڈیٹر رہے۔ پھر تنظیم اہل حدیث کا جب لاہور سے آغاز ہوا تو اس کے پہلے ایڈیٹر حافظ محمد ابراہیم کبیر پوری رضی اللہ عنہ تھے۔ تنظیم اہل حدیث کا یہ دور علم و تحقیق، ادب و انشا اور صحت کے اعتبار سے مثالی دور تھا۔ حافظ صاحب کی خدا داد صلاحیتوں اور احباب کے تعاون سے تنظیم اہل حدیث نے نادر دینی پرچوں میں ممتاز مقام حاصل کر لیا تھا۔

اسی طرح مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے ترجمان ہفت روزہ اہل حدیث کے بھی تقریباً ۱۸ سال تک ایڈیٹر رہے۔ چنانچہ آپ نے اپنی دوراندیشی اور تجربہ کار صحافی کی حیثیت سے ہفت روزہ اہل حدیث میں نمایاں تبدیلی پیدا کی اور اس کا اعلیٰ معیار قائم کیا۔ آپ کے صفحہ اول پر تقلید کے حوالے سے شائع ہونے والے آرٹیکل اور ملکی صورت حال کے حوالے سے شائع ہونے والے ادارے آج بھی نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

پوری ہمت اور اپنے زرخیز ذہن سے اپنا بھرپور کردار ادا کرنے کی پوزیشن میں تھے۔ مروجہ دینی علوم سے فراغت کے بعد وہ دل سے یہ چاہتے تھے کہ کسی ایسے مرکز میں بیٹھ کر دینی خدمات بجالائیں جہاں اسلام کے خلاف مختلف طاقتیں صف آرا ہوں۔

چنانچہ بدو ملہی (جوان دنوں تحصیل نارووال ضلع سیالکوٹ کا) ایک ایسا قصبہ تھا جہاں قادیانی خاصے منہ زور تھے۔ ان کے علاوہ آریہ سماجی اور سناٹن دھرمی بھی وہاں اسلام اور مسلمانوں کو چیلنج کرنے سے باز نہیں آتے تھے۔ ان حالات میں مولانا امرتسری رضی اللہ عنہ کی دلی خواہش تھی کہ بدو ملہی کے مرکز اہل حدیث میں ایک ایسا نوجوان بٹھایا جائے جو اسلام کے خلاف اٹھنے والے ان فتنوں سے اچھی طرح واقف ہو۔ اسے وسیع معلومات ہوں، حاضر جوابی، اپنے موقف پر خود اعتمادی اور بحث و مناظرہ کا ذوق بھی ہو۔ آپ کو حضرت حافظ صاحب کی شخصیت ہی ان تمام اوصاف اور خوبیوں سے متصف نظر آئی۔ چنانچہ آپ نے شیخ الاسلام مولانا امرتسری رضی اللہ عنہ کے حکم سے بدو ملہی میں ڈیرے ڈال دیے۔ وہاں آپ نے بڑا کام کیا، بڑا نام و مقام پایا اور آریہ سماجیوں اور سناٹن دھرمیوں کو میدان سے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ مسیحیت اور قادیانیت کو بھی آپ کے سامنے آنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ آپ نے بدو ملہی میں ساہا سال تک قیام کیا اسلام کا دفاع کیا تا آنکہ ہر طرف سے توحید و سنت کے زمزموں کی دل نواز آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔

کامیاب خطیب:

ایک کامیاب خطیب کے لیے جن بنیادی اوصاف و اجزاء کا ہونا ضروری ہے حضرت حافظ صاحب کبیر پوری رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے وہ تمام اوصاف پوری فیاضی سے عطا فرمائے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ پاکستان کے بڑے بڑے جماعتی اور مختلف شہروں کے مشہور جلسوں میں حضرت حافظ صاحب کی شرکت لازمی سمجھی جاتی تھی اور اللہ کے فضل و کرم سے حافظ صاحب جس جلسے میں گئے اپنے حسن

تصنیف و تالیف:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تصنیف و تالیف کی بھی اعلیٰ صلاحیتوں سے نواز رکھا تھا۔ اگرچہ اپنی تبلیغی اور جماعتی سرگرمیوں کی وجہ سے وہ اس طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے تاہم انھوں نے اس میدان میں بھی اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے اور چند کتابیں یادگار چھوڑیں جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱: مقالات محرم۔
 - ۲: مرزا قادیان کے دس جھوٹ: قادیانیوں کے دونوں فرقوں لاہوری اور ربوہ کے مرزائیوں کی طرف سے اس کا جواب دیا گیا۔ ان کے جواب کا جواب بھی حضرت حافظ صاحب نے تحریر کیا (ان شاء اللہ یہ کتاب جلد شائع کی جائے گی)۔
 - ۳: فسانہ قادیان: یہ کتاب دوبار شائع ہو چکی ہے۔
 - ۴: ثناء اللہ اور مرزا سیہ کتاب بھی شائع کرنے کا پروگرام ہے، ان شاء اللہ۔
 - ۵: قربانی: اور پرویزی دلائل کا جائزہ۔
 - ۶: ماہ رمضان المبارک اور اس کے احکام و مسائل۔
- اس کے علاوہ سیکڑوں مضامین اور مقالہ جات مختلف جماعتی اور غیر جماعتی رسائل و اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔

کامیاب مناظر:

حضرت حافظ صاحب کا جوانی کا دور بحث و مناظرہ کا دور تھا۔ اس دور کے تمام علماء اس لہر سے متاثر تھے۔ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت نے حضرت کمپوری رحمۃ اللہ علیہ کو چندے آفتاب اور چندے ماہتاب بنا دیا تھا۔ چنانچہ حضرت شیخ الاسلام امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت سے آپ کا ذوق مناظرہ دو آتشہ بلکہ سہ آتشہ ہو گیا تھا۔ ایک کامیاب مناظرہ کے لیے اپنے موقف پر شرح صدر، خود اعتمادی اور اپنے حریف کے دلائل و عقائد اور نظریات پر مکمل عبور حاصل ہونا ضروری ہے۔ تحمل، حوصلہ، وسعت ظرفی، ذہانت و فطانت، حاضر جوابی، بر جستہ گوئی اور جرات کامیاب مناظر کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ الحمد للہ یہ تمام اوصاف حضرت حافظ صاحب میں بہ درجہ اتم پائے جاتے تھے۔ اسی

وجہ سے حافظ کمپوری رحمۃ اللہ علیہ نے مرزائیوں اور دیگر باطل فرقوں کے خلاف بڑے کامیاب مناظرے کیے ان میں سے مناظرہ اجنالہ، مناظرہ بٹالہ، مناظرہ لاہور، مناظرہ بھوپے وال پتوکی، مناظرہ جلال آباد ضلع ملتان اور مناظرہ فاروقہ ضلع سرگودھا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مرزائیت کے حوالے سے آپ کی خدمات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس ضمن میں آپ قادیان بھی گئے اور قادیانیوں کے دوسرے خلیفہ بشیر الدین محمود سے بھی ملاقات کی۔

اس ضمن میں سب سے قابل ذکر بات یہ ہے کہ ۱۹۷۷ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران قومی اسمبلی میں آئینی اور دستوری جنگ میں آپ کا شاندار کردار رہا ہے۔ ارکان اسمبلی کو قادیانیوں کی تاریخ سے آگاہ کرنا، مرزانا صر پر جرح کے دوران اراکین اسمبلی کی رہنمائی آپ کے قابل فخر کارناموں میں سے ایک ہے جسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

قید و بند:

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران ۴ ماہ ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ میں گزارے۔ تحریک ختم نبوت کے دوران آپ کی بے مثال کارکردگی کو احرار اور دیوبندی بزرگوں نے بھی خراج تحسین پیش کیا ہے۔

اسی طرح ۱۹۶۱ء میں ٹوبہ ٹیک سنگھ میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان پر ایک جلسے میں ”نبی انقلاب“ کے عنوان پر خطاب پر آپ کو فوجی عدالت نے ۱۴ سال کی قید بامشقت کی سزا سنائی جو بعد میں ۶ ماہ قید میں بدل دی گئی۔

آپ نے مختلف مقامات پر خطابت کے فرائض انجام دیے۔ ان میں بدوملی، جھنگ، جامع مسجد چینیانوالی لاہور، سرگودھا اور پتوکی شامل ہیں۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث میں آپ نے مختلف حیثیتوں سے خدمات انجام دیں۔ آپ نے مرکزی ناظم دفتر، مرکزی ناظم تبلیغ، مرکزی ناظم نشر و اشاعت اور مرکزی نائب امیر کی حیثیت سے ذمہ داریوں کو بہ طریق احسن ادا کیا۔

بقیہ: مولانا ابوالکلام آزاد کا مسلک

اسی لیے قرآن نے مقلدین محض کو چار پایوں اور حیوانوں سے تشبیہ دی ہے اور پھر اس کو بھی اظہار ضلالت کے لیے نا کافی قرار دے کر ان سے بھی بدتر قرار دیا ہے۔ ان کے پاس دل و دماغ ہیں مگر نہیں دیکھتے کان ہیں مگر سنتے نہیں۔ خود اپنے ذہن سے کام نہ لینے اور مقلد محض ہونے میں وہ مثل چار پایوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی گمراہ تر۔

الہلال کی دعوت اصلاح کا اصل مقصد یہی تھا کہ تقلید پرستی کے سلال و اغلال سے انسانوں کو نجات دلائی جائے۔ استبدادی فکر کی زنجیریں توڑ دی جائیں۔ بت پرستی اور انسان پرستی کی تمام شاخیں اسی تقلید آباء و رسوم سے پیدا ہوتی ہیں۔ خدا نے ہر انسانی روح کو سوچنے والا، ہر آنکھ کو دیکھنے والا بنایا ہے قرآن کہتا ہے:

کیا ہم نے انسان کو دیکھنے کے لیے دو آنکھیں نہیں دیں اور بولنے کے لیے زبان اور لبیں عطا نہیں کیں اور پھر ہدایت و ضلالت کی دونوں راہیں اس کے سامنے نہیں کھول دیں۔“ (الہلال ۲۲ دسمبر ۱۹۱۲ء)

مولانا آزاد نے مسلمانوں کی ذہنی صحت اور تندرستی کے لیے پہلے مرض کی تشخیص کی اور امراض و عوارض کا پتا چلایا اور پھر اپنی ذمہ داری کو بھرپور طریقے سے ادا کیا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”مسلمانوں میں سیاسی آزادی کے ولولے کیوں نہیں اُبھرے؟ ایثار قربانی کا جذبہ کیوں مفقود تھا۔ سحر نگار اہل قلم اور آتش بیان مقرر کیا کردار ادا کرتے تھے۔ اور علماء مذہب کی حقیقی روح اور اصل دعوت سے کیوں بیگانہ تھے۔“

اس خلجان کو دور کرنے کے لیے مولانا نے فرمایا:

”انسانی ضلالت و گمراہی کا اصل سبب تقلید پرستی ہے، ہر اصلاحی تحریک کے لیے پہلی منزل تقلید کی بندشوں کو توڑنا ہے۔“

آپ نے مولانا داود غزنوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی، حافظ محمد گوندلوی، مولانا معین الدین لکھوی اور شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ رحمہ اللہ کو جرنالہ کی امارت میں جماعتی خدمات انجام دیں۔ آپ مطالعہ کے شوقین تھے چنانچہ آپ کا کتب خانہ مختلف موضوعات پر ہزاروں کتب پر مشتمل ہے جن میں عربی اردو کی امہات الکتاب کے علاوہ مرزائیت، شیعیت اور دیگر عنوانات پر کتابوں کا قابل قدر ذخیرہ موجود ہے۔

اولاد:

آپ کو اللہ تعالیٰ نے ۲ بیٹے اور ۲ بیٹیاں عطا کیں تھیں۔ بڑے بیٹے حافظ خالد محمود ثاقب گزشتہ ۱۲ سال فوج کے مریض ہیں۔ احباب سے ان کی صحت کے لیے دعا کی گزارش ہے۔

چھوٹا بیٹا (رافع الحروف) حافظ حسن محمود کیرپوری سکول ٹیچر ہے۔ ایم۔ اے، ایم۔ ایڈ ہے۔ لاہور میں جامع مسجد المکرم نسبت روڈ میں گزشتہ ۲۲ سال سے خطابت کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ جب کہ پتوکی میں ایک مسجد اور دینی ادارے کی نگرانی بھی کر رہا ہے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ضلع قصور کے ناظم کی حیثیت سے ۱۹۹۷ء سے ذمہ داری نبھا رہا ہے۔ اس کے علاوہ سلفی اساتذہ کی تنظیم جمعیت اساتذہ پاکستان کا صدر بھی ہے۔

حضرت حافظ صاحب طویل عرصہ تک شوگر کے مرض میں مبتلا رہے۔ ۱۹۸۹ء میں بیماری شدت اختیار کر گئی۔ مختلف ہسپتالوں میں زیر علاج رہے۔ آخر کار ۱۹ جون ۱۹۸۹ء کو شیخ زید ہسپتال لاہور میں داعی اجل کو لبیک کہا اور اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔

ان کی نماز جنازہ پتوکی میں ادا کی گئی۔ یہ جنازہ علاقے کی تاریخ کا بہت بڑا جنازہ تھا۔ نماز جنازہ شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ رحمہ اللہ نے پڑھائی جب کہ قبر پر دعا حافظ عبدالقادر روپڑی رحمہ اللہ نے کی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دینی، مسلکی، جماعتی اور ملی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین

سود کی حرمت و قباحتیں

حافظ ذوالفقار علی (شیخ الحدیث ابو ہریرہ شریعہ کالج لاہور)

شیطان نے کسی شخص کو چھو کر مخلوط الحواس بنا دیا ہو۔ اس کی وجہ ان کا یہ قول ہے کہ تجارت بھی تو آخر سود کی طرح ہے، حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام، اب جس شخص کو اس کے رب کی طرف سے یہ نصیحت پہنچ گئی اور وہ سود سے رک جائے تو پہلے جو سود کھا چکا اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے مگر جو پھر بھی سود کھائے تو یہی لوگ دوزخی ہیں، جس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کی پرورش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے بندے کو پسند نہیں کرتا۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ ٥ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتِغُوا فَلَکُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِکُمْ لَا تَظْلُمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾

[البقرة: ۲۷۸، ۲۷۹]

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔ اور اگر تم نے سود نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ہاں، اگر تو بہ کر لو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے، نہ ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُونَ﴾

[آل عمران: ۱۳۰]

”اے ایمان والو! سود کو دگنا چوگنا کر کے مت کھاؤ اور اللہ

۱۴ نومبر ۱۹۹۱ء کو پاکستان کی فیڈرل شریعت کورٹ نے ہر قسم کے سودی کاروبار کو حرام قرار دے کر ملکی معیشت کو جلد اس سے پاک کرنے کا تاریخ ساز فیصلہ دیا تھا اور ۲۳ دسمبر ۱۹۹۹ء کو سپریم کورٹ کے شریعت اسپلیٹ بنچ نے بھی اس کی توثیق کی تھی لیکن ۲۴ جون ۲۰۰۲ء کو سپریم کورٹ نے UBL کی نظر ثانی کی اپیل پر اس فیصلے کو کالعدم قرار دے کر اسے دوبارہ فیڈرل شریعت کورٹ میں بھیج دیا جہاں اب اس کیس کا از سر نو جائزہ لیا جا رہا ہے۔ یہ مضمون اسی تناظر میں لکھا گیا ہے۔

حرمت سود:

سود خواہ کسی غریب و نادار سے لیا جائے یا کسی امیر اور سرمایہ دار سے، یہ ایک ایسی لعنت ہے جس سے نہ صرف معاشی استحصال، مفت خوری، حرص و طمع خود غرضی، شقاوت و سنگ دلی، مفاد پرستی، زر پرستی اور بخل جیسی اخلاقی قباحتیں جنم لیتی ہیں بلکہ معاشی اور اقتصادی تباہ کاریوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے اس لیے دین اسلام اسے کسی صورت برداشت نہیں کرتا۔ قرآن حکیم نے نہ صرف اسے قطعی حرام قرار دیا ہے بلکہ اسے اللہ اور اس کے رسول ساتھ جنگ قرار دیا ہے:

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَن جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ٥ يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ٥﴾

[البقرة: ۲۷۵، ۲۷۶]

”جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ یوں کھڑے ہوں گے جیسے

و کاتبہ و شاہدیہ و قال: ((ہم
سواء .)) (صحیح مسلم)

”نبی کریم ﷺ نے سود کھانے، سود کھلانے، لکھنے والے اور
اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا: یہ سب گناہ میں
برابر کے شریک ہیں۔“

دیگر مذاہب میں بھی سود حرام ہے:

چونکہ سود ہر دور میں بنی نوع انسان کے لیے ایک جاں گسل مسئلے
کی حیثیت سے موجود رہا ہے اسی لیے ہر دین و مذہب نے اسے حرام
قرار دیا گیا ہے۔ قرآن نے یہودیوں کی بد اعمالیوں کا ذکر کرتے
ہوئے سود خوری کا تذکرہ بھی کیا ہے باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے
ان پر سود پہلے سے حرام کر دیا تھا مگر یہ اس ذلیل دھندے میں لگے
رہتے تھے:

﴿فَبُظْلِمَ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَمْنَا عَلَيْهِمْ طَيْبَاتٍ
أُحِلَّتْ لَهُمْ وَ بَصَدَّيْهُمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا
وَأَخَذْنَاهُمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلَاهُمْ أَمْوَالَ
النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا
أَلِيمًا﴾ [النساء: ۱۶۰، ۱۶۱]

”یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر کچھ پاک چیزیں
حرام کر دی تھیں جو ان کے لیے حلال تھیں اور ان کے اللہ
کے راستے سے بہت زیادہ روکنے۔ اور ان کے سود لینے کی
وجہ سے حالانکہ انھیں اس سے منع کیا گیا تھا اور لوگوں کا ناجائز
طریقے کے ساتھ مال کھانے کی وجہ سے اور ہم نے ان میں
سے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔“
آج بھی تو رات میں کئی جگہ سود کی ممانعت کے احکام موجود ہیں۔
چنانچہ تو رات کی کتاب استثناء میں ہے:

”تو اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا خواہ وہ روپے کا سود ہو یا
اناج کا یا کسی ایسی چیز کا جو بیاب پر دی جایا کرتی
ہو۔“ (استثناء: ۱۹:۲۳)

سے ڈرتے رہتا کہ تم آخرت میں نجات پا سکو۔“

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
((اجتنبوا السبع الموبقات)) قالوا یا رسول
اللہ! وما هن قال: ((الشرك بالله والسحر
وقتل النفس التي حرم الله إلا بالحق وأكل
الربوا وأكل مال اليتيم والتولی يوم الزحف
وقذف المحصنات المؤمنات
الغافلات .)) (صحیح بخاری)

”سات مہلک گناہوں سے بچو۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا:
اللہ کے نبی! وہ کون سے گناہ ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”اللہ کے
ساتھ شریک کرنا، جادو کرنا، جس نفس کو اللہ نے حرام کیا ہے
اس کو ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے دن
پیٹھ دکھا کر بھاگنا، پاک دامن اور بھولی بھالی عورتوں پر
تہمت لگانا۔“

حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی
کریم ﷺ نے فرمایا:

((درہم ربا یا کله الرجل وهو یعلم أشد من
ستة وثلاثین زنیۃ .)) (مسند احمد: ۲۰۹۵۱)
”ربا کا ایک درہم جو انسان علم ہونے کے باوجود کھاتا
ہے، ۳۶ (چھتیس) زناؤں سے زیادہ سخت ہے۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
((الربا ثلاثة وسبعون بابا أیسرها مثل أن
ینکح الرجل أمه .)) (مستدرک حاکم)

”سود کے ستر دروازے ہیں سب سے کم تر اس طرح ہے
جیسے انسان اپنی ماں کے ساتھ نکاح کرے۔“

یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے اس میں ملوث تمام لوگوں کو لعنتی قرار
دیا ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

”لعن رسول اللہ ﷺ اکل الربوا وموكله

کتاب خروج میں ہے:

”اگر تو میرے لوگوں میں سے کسی محتاج کو جو تیرے پاس رہتا ہو کچھ قرض دے تو اس سے قرض خواہ کی طرح سلوک نہ کرنا اور نہ اس سے سود لینا۔“ (خروج، باب ۲۲: ۲۶)

کتاب احبار میں ہے:

”اور اگر تیرا کوئی بھائی مفلس ہو جائے اور وہ تیرے سامنے تنگ دست ہو تو تُو اسے سنبھالنا۔ وہ پردیسی اور مسافر کی طرح تیرے ساتھ رہے۔ تو اس سے سود یا نفع مت لینا بلکہ اپنے خدا کا خوف رکھنا تا کہ تیرا بھائی تیرے ساتھ زندگی بسر کر سکے۔ تو اپنا روپیہ اسے سود پر مت دینا اور اپنا کھانا بھی اسے نفع کے خیال سے نہ دینا۔“ (احبار، باب: ۲۵: ۵۳ تا ۳۷)

صحیفہ حزقیل میں ہے:

”سود پر لین دین کرے تو کیا وہ زندہ رہے گا؟ اس نے یہ سب نفرتی کام کیے ہیں۔ وہ یقیناً مرے گا۔ اس کا خون اسی پر ہوگا۔“ (حزقیل: ۱۸: ۵)

حرمتِ سود کا یہی حکم عیسائیوں کے لیے بھی ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

”یہ نہ سمجھو کہ میں تو ریت یا نیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔“ (انجیل متی، ۵: ۱۷)

یہود و نصاریٰ کی طرح ہندوؤں کے مذہب میں بھی سود حرام ہے جیسا کہ مغل شہزادے داراشکوہ اور معروف ہندو پنڈت کے درمیان ہونے والے مکالمے سے واضح ہے۔ داراشکوہ نے پنڈت صاحب سے پوچھا: کیا مسلمان پر سود کا لینا حرام اور اہل ہنود پر حلال ہے؟ تو پنڈت صاحب نے جواب دیا: اہل ہنود پر سود لینا حرام سے بھی زیادہ برا ہے۔ اس پر داراشکوہ نے سوال کیا کہ پھر سود لیتے کیوں ہیں؟ تو پنڈت جی کہا کہ یہ رواج پا گیا ہے اور اس کا رواج پانا اس کے نقصان سے بے خبر ہونے کی وجہ سے ہے۔ (اسرار معرفت، ص: ۲۱)

مگر الم ناک صوت حال یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں سمیت سب ہی اس ملعون دھندے میں لگے ہوئے ہیں۔ سود کیا ہے؟

سود کو عربی زبان میں ربا کہتے ہیں جس کا لغوی معنی ہے ”اضافہ“ جب کہ شریعت کی اصطلاح میں سود اس متعین اور طے شدہ اضافی رقم کو کہا جاتا ہے جو مقروض قرض دینے والے کو اصل سرمائے کے ساتھ واپس کرتا ہے یا وہ اضافی رقم جو بیع کے نتیجے میں واجب ہونے والی رقم کی ادائیگی میں تاخیر کی بنا پر وصول کی جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ تَبْتَئِمُوا فَلََكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلُمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾ [البقرة: ۲۷۸، ۲۷۹]

”اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لیے تمہارا اصل مال ہی ہے۔“

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((کل قرض جر منفعة فهو ربا.))

(جامع الصغير، رقم: ۹۷۲۸)

”ہر وہ قرض جو فائدے کا باعث بنے وہ سود ہے۔“

یعنی قرض خواہ کا اپنے مقروض سے اصل سرمائے کے علاوہ کسی بھی نام سے زائد رقم وصول کرنا سود ہے چاہے وہ سود کے نام سے وصول کی جائے یا نفع اور مارک اپ کے نام سے۔ اس میں بینک انٹرسٹ، انعامی بانڈز، ڈیفنس سرٹیفکیٹس، سیونگ سرٹیفکیٹس، پاکستان انویسٹمنٹ بانڈز اور کمرشل انشورنس بھی شامل ہیں کیونکہ ان پر یہ تعریف صادق آتی ہے۔

ربا البیوع:

سود کی واضح ترین شکل تو وہی ہے جو ادھر پر بیان ہوئی ہے اور اسی کو سابقہ شریعتوں میں حرام قرار دیا گیا ہے لیکن اسلام کی نگاہ میں سود کی ایک اور قسم بھی ہے جو پہلی قسم کی طرح ہی حرام ہے۔ وہ ہے ایک جنس کی دو چیزوں کا اس طرح تبادلہ کرنا کہ دونوں یا ایک طرف سے ادھار ہو جیسے روپے کا ڈالر کے ساتھ ادھار تبادلہ یا ایک قسم کی دو چیزوں کا کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ کرنا جیسے گندم کا گندم کے ساتھ کمی بیشی کے ساتھ

”نبی ﷺ نے ایک آدمی کو خیر میں عامل مقرر کیا وہ آپ ﷺ کے پاس بہترین کھجوریں لے کر آیا تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ”کیا خیر کی تمام کھجوریں اس قسم کی ہیں؟“ اس نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! واللہ ایسی نہیں ہیں ہم دو صاع کے بدلے اس کا ایک صاع اور تین صاع کے بدلے اس کے دو صاع وصول کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ایسا نہ کرو ان ہلکی کھجوروں کو نقد درہموں سے پیچو پھر ان درہموں سے اعلیٰ کھجوریں خریدو۔“ اور یہی ہدایت وزن کی جانے والی اشیاء کے متعلق فرمائی۔

۲: اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں اشیاء کے مابین خاصیت کے فرق (Quality) کو نظر انداز کر دیا جائے۔ ربالیووع کیوں حرام ہے؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کوالٹی میں فرق کی بنیاد پر کمی بیشی کے ساتھ تبادلے میں یہ ظاہر کوئی خرابی نظر نہیں آتی کیونکہ اعلیٰ درجے اور کم تر درجے کی چیز برابر نہیں پھر شریعت نے اسے کیوں حرام قرار دیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے انسان میں سود خوری کی ذہنیت پرورش پانے کا اندیشہ تھا۔ دین اسلام کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ جب وہ کسی چیز کو حرام قرار دیتا ہے تو اس برائی تک پہنچنے کے تمام راستے اور ذرائع بھی بند کر دیتا ہے چنانچہ نبی ﷺ نے اس کی یہ حکمت خود ہی بیان فرما دی ہے

((لا تتبعوا الدینار بالدینارین ولا الدرہم بالدرہمین ولا الصاع بالصاعین فانی أخاف علیکم الرماء والرماء هو الربا.)) (مسند احمد، رقم الحدیث: ۶۰۲۵)

”ایک درہم کو دو درہم اور ایک صاع کو دو صاع کے عوض نہ پیچو کیونکہ مجھے خوف ہے کہ کہیں تم سود خوری میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔“ یہ حقیقت ہے کہ ایک قسم کی دو چیزوں کے درمیان تبادلہ ادنیٰ اور اعلیٰ یعنی کوالٹی کی بنیاد پر ہی ہوتا ہے کہ ایک طرف عمدہ گندم ہوتی ہے اور

تبادلہ۔ اس کو ربالیووع کہتے ہیں یعنی سود کی وہ قسم جس کا تعلق خرید و فروخت یا تبادلے کے سودوں سے ہے۔ ربالیووع کے متعلق احادیث:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا:

”ینہی عن بیع الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح إلا سواء بسواء عینا بعین فمن زار أو ارداد فقد أربى فرد الناس مأخذوا.“ (صحیح مسلم:)

”آپ ﷺ سونے کی سونے کے ساتھ، چاندی کی چاندی کے ساتھ گندم کی گندم کے ساتھ جو کی جو کے ساتھ کھجور کی کھجور کے ساتھ اور نمک کی نمک کے ساتھ بیع سے منع فرماتے تھے الا یہ کہ برابر برابر اور نقد ہوں۔ جو زیادہ لے یا زیادہ دے وہ ربا کا مرتکب ہوا۔ تو لوگوں نے جولیا تھا وہ لوٹا دیا۔“

ظاہر ہے ایک جیسی دو چیزوں کے تبادلے کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب ان کی جنس ایک ہونے کے باوجود کوالٹی میں فرق ہو اس صورت میں اسلام نے ہمارے سامنے دو ہی راستے رکھے ہیں:

۱: جو کم تر چیز کے بدلے اعلیٰ یا اعلیٰ کے بدلے کم تر لینا چاہتا ہے وہ پہلے اس چیز کو بازار میں فروخت کرے اس کے بعد اپنی مطلوبہ چیز خریدے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

”إن رسول الله ﷺ استعمل رجلاً علی خیر فجاءه بتمر جنب فقال رسول الله ﷺ: أکل تمر خیر هکذا؟ قال: لا والله یارسول الله! إنا لنأخذ الصاع من هذا بالصاعین والصاعین بالثلاثة فقال رسول الله ﷺ: ((لا تفعل بع الجمع بالدرهم ثم ابتع بالدرهم جنباً.)) (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۴۲۴۴)

دوسری طرف کم تر۔ چونکہ کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ سود کا سبب بن سکتا ہے اس لیے شریعت اسلامیہ نے یہ اصول طے کر دیا ہے کہ یا تو کوئی چیز فرق نظر انداز کر کے لین دین کیا جائے یا پھر اپنی چیز بیچ کر مطلوبہ چیز خریدی جائے جیسا کہ حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں:

”جاء بلال إلى النبي ﷺ بتمر برني فقال له النبي ﷺ: ((من أين هذا؟)) قال بلال: كان عندنا تمر ردي، فبعت منه صاعين بصاع، لنطعم النبي ﷺ، فقال النبي ﷺ عن ذلك: ((أوه أوه عين الربا عين الربا لا تفعل ولكن إذا أردت أن تشتري فبع التمر ببيع آخر ثم اشتريه.))“ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

”ایک دفعہ بلال نبی ﷺ کے پاس عمدہ قسم کی کھجوریں لائے۔ آپ نے پوچھا یہ کہاں سے لائے ہو؟ انھوں نے عرض کیا ہمارے پاس گھٹیا قسم کی کھجورتھی میں نے وہ دو صاع دے کر ایک صاع خرید لی تاکہ ہم نبی ﷺ کو عمدہ کھجوریں کھلائیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہائے یہ قطعی سود ہے یہ قطعی سود ہے ایسا ہرگز نہ کرو۔ جب تم عمدہ کھجوریں خریدنا چاہو تو اپنی کھجوریں کسی دوسری چیز کے عوض بیچ دو پھر اس سے عمدہ کھجوریں خریدو۔“

اسی طرح اگر کسی چیز میں سونا اور دوسری اشیاء ملی جلی ہوں تو جب تک سونے کو علیحدہ نہ کر لیا جائے اس کو اسی حالت میں متعین سونے کے عوض بیچنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ سیدنا فضالہ بن عبیدانصاریؓ بیان کرتے ہیں:

”أتى رسول الله ﷺ وهو بخير بقلادة فيها خرز وذهب وهي من المغنم تباع فأمر رسول الله ﷺ بالذهب الذي في القلادة فنزع وحده ثم قال لهم رسول الله ﷺ: ((الذهب بالذهب وزنا بوزن.))“

(صحیح مسلم:)

”خیر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک ہار لایا گیا جس میں کوڑیاں اور سونا تھا۔ وہ مال غنیمت میں سے تھا اور فروخت کیا جا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے ہار میں موجود سونے کے بارے میں فرمایا تو اسے الگ کر دیا گیا پھر آپ نے ان سے کہا سونا سونے کے ساتھ وزن کر کے فروخت کیا جائے۔“

دوسری روایت میں فضالہ بن عبید فرماتے ہیں:

”میں نے خیبر کے روز بارہ دینار کے عوض ایک ہار خریدا جس میں سونا اور کوڑیاں تھیں۔ میں نے اس کو الگ الگ کیا تو اس میں بارہ دینار سے زائد سونا پایا۔ میں نے اس بات کا تذکرہ آنحضور ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا جب تک جدا جدا نہ کر لیا جائے بیچا نہ جائے۔“ (صحیح مسلم)

حتیٰ کہ اگر ہم سونے یا چاندی کی بنی ہوئی کوئی چیز خریدیں تو اس صورت میں بھی یہی حکم ہے کہ اس کی قیمت میں اس کے وزن سے زائد سونا یا چاندی دینا جائز نہیں کیونکہ اس کی آڑ میں سودی مرض کو دور آنے کا موقع مل سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت مجاہدؓ کہتے ہیں:

”میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ تھا کہ ان کے پاس ایک سنار آیا اس نے کہا اے ابوعبدالرحمان (عبداللہ بن عمرؓ کی کنیت) میں سونے کو ڈھالتا ہوں پھر زیادہ وزن پر فروخت کر دیتا ہوں اور اپنے ہاتھ کی محنت کے بہ قدر بچا لیتا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان کو منع کر دیا تاہم وہ سنار بار بار مسئلہ پیش کرنے لگا اور عبداللہ بن عمرؓ نے اسے منع کر رہے تھے یہاں تک مسجد کے دروازے تک یا جس سواری پر سوار ہونا چاہتے تھے اس تک پہنچ گئے، پھر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا دینار دینار اور درہم درہم کے بدلے ان میں تفاضل جائز نہیں ہے۔ یہ ہمارے نبی کا ہم سے عہد ہے اور ہمارا تمہارے ساتھ عہد ہے۔“ (موطأ امام مالک)

اس طرح کا ایک واقعہ حضرت عطاء بن یسار سے بھی مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

ہے اس لیے شریعت نے نقد تبادلے کو تو جائز قرار دیا ہے لیکن ادھار کی اجازت نہیں دی۔

۳: ایک گروپ کی کسی چیز کا دوسرے گروپ کی کسی چیز سے تبادلہ جیسے سونے کا گندم یا چاندی کا جو کے ساتھ لین دین، اس میں کمی بیشی بھی جائز ہے اور ادھار بھی۔

یہی حکم ان اشیاء کے باہمی تبادلے کا ہے جو حرمت کی علت میں ان چھ اشیاء کے ساتھ شریک ہیں۔ اب ان اشیاء کی حرمت کی علت کیا ہے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ صحیح موقف یہ ہے کہ سونے اور چاندی میں حرمت کی وجہ ان کا ثمن (زر) ہونا ہے، لہذا موجودہ دور کی کرنسیوں کو ان پر قیاس کیا جائے گا اور ایک ملک کی کرنسی کا اسی ملک کی کرنسی سے کمی بیشی کے ساتھ اور ادھار تبادلہ حرام ہوگا جب کہ باقی چار اجناس میں حرمت کی وجہ قابل غذا و ذخیرہ ہونا ہے اس لیے وہ تمام غذائی اشیاء جنہیں ذخیرہ کیا جاسکتا ہے ان کا کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ ممنوع ہے۔

بعض غلط فہمیاں:

قرآن حکیم میں چونکہ سخت الفاظ میں سود کی مذمت کی گئی ہے اس لیے مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر اس کی حرمت پر متفق ہیں تاہم بعض مسلمانوں میں اس حوالے سے کچھ غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں جن کو دور کرنا ضروری ہے۔

پہلی غلط فہمی:

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن نے صرف اس سود کو حرام قرار دیا ہے جو غریب اور پریشان حال لوگوں سے لیا جائے لیکن اگر کاروباری قرض پر سود لیا جائے تو اس کو قرآن حرام قرار نہیں دیتا کیونکہ نزول قرآن کے وقت کاروباری قرضوں کا رواج ہی نہیں تھا۔

ازالہ:

قرآن میں ذاتی اور کاروباری قرضوں کی کوئی تفریق موجود نہیں ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ تم صرف اپنا اصل سرمایہ اور رأس المال لینے کے مجاز ہو۔ اس حکم کا اطلاق کاروباری قرضوں پر بھی ہوتا ہے کیونکہ اصل سرمایہ اور رأس المال کے الفاظ کاروباری سیاق و سباق میں ہی

”إن معاوية باع سقاية من ذهب أو ورق بأكثر من ورنها فقال أبو الدرداء سمعت رسول الله ﷺ ينهى عن مثل هذا إلا مثلا بمثل.“ (سنن النسائی: باب بیع الذهب بالذهب) ”ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سونے یا چاندی کی بنی ہوئی ایک مشک اس کے وزن سے زائد سونا یا چاندی وصول کر کے فروخت کی تو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ اس طرح کے سودے سے منع کرتے تھے سوائے اس کے کہ برابر برابر ہو۔“

کمی بیشی کے ساتھ تبادلے کی جائز و ناجائز صورتیں:

مذکورہ احادیث میں جن اشیاء کا ذکر ہوا ہے اہل علم نے ان کو دو گروپوں میں تقسیم کیا ہے:

۱: سونا، چاندی۔ ۲: گندم، جو، کھجور اور نمک۔

اور ان کے باہمی تبادلے کی جائز و ناجائز صورتیں یوں بیان کی ہیں:

۱: ایک گروپ کی دو ایک جیسی چیزوں جیسے سونے کا سونے یا چاندی کا چاندی یا گندم کا گندم کے ساتھ تبادلہ۔ اس میں کمی بیشی اور ادھار دونوں منع ہے۔ ادھار ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دو ایک جیسی چیزوں میں حقیقی برابری تب ممکن ہے جب دونوں کی ادائیگی کا وقت بھی ایک ہو۔

۲: ایک گروپ کی دو مختلف چیزوں کا تبادلہ جیسے سونے کا چاندی یا گندم کا چاول کے ساتھ تبادلہ۔ اس میں کمی بیشی جائز ہے مگر ادھار جائز نہیں کیونکہ ادھار کی بیشی سودی مزاج پر دلالت کرتی ہے۔ وہ اس طرح جو شخص آج دس من گندم دے کر یہ طے کرتا ہے کہ وہ ایک مہینے بعد پانچ من چاول لے گا تو اس کے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ ایک ماہ بعد پانچ من چاول دس من گندم کے برابر ہوں گے۔ اس نے دونوں کے درمیان تبادلے کی جو نسبت پیشگی طے کر لی ہے یہ سودی ذہنیت کا ہی نتیجہ ہے جب کہ اس کے برعکس نقد تبادلہ ہمیشہ بازاری نرخ پر ہی ہوتا

بولے جاتے ہیں۔

اگر امراء سے سود لینا جائز ہوتا تو پھر ربالبیوع حرام نہ ہوتا کیونکہ اس میں کسی غریب سے سود نہیں لیا جاتا بلکہ یہ دو فریقوں کے درمیان برابری کی بنیاد پر تبادلہ ہوتا ہے مگر اس کے باوجود اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے۔

اور پھر یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ نزول قرآن کے وقت کاروباری قرضوں کا رواج نہیں تھا۔ کاروباری قرضوں کا رواج تو زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

”نبی ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا واقعہ بیان فرمایا کہ اس نے ایک شخص سے اللہ کو ضامن بنا کر ایک ہزار دینار قرض لیا اور سمندری سفر پر روانہ ہو گیا۔“ (صحیح بخاری)

دوسری روایت میں ہے کہ اس شخص نے اس قرض سے کاروبار کیا تھا۔ [فتح الباری: ۵۹۴/۴]

علاوہ ازیں قرض کی مقدار سے بھی یہ واضح ہے کہ یہ قرض ذاتی ضرورت کے لیے نہیں بلکہ کاروبار کے لیے لیا گیا تھا۔

موطاً امام مالک میں ہے:

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ اور عبید اللہ ایک لشکر کے ساتھ عراق گئے۔ جب وہ واپس آ رہے تھے تو ان کی ملاقات بصرہ کے گورنر ابوموسیٰ اشعری سے ہوئی۔ انھوں نے کہا میری یہ خواہش ہے کہ تمھیں کوئی فائدہ پہنچا سکوں۔ میرے پاس بیت المال کا کچھ مال ہے جو میں مدینہ منورہ امیر المؤمنین کی خدمت میں بھیجنا چاہتا ہوں، میں وہ مال تمھیں بہ طور قرض دے دیتا ہوں تم یہاں سے کچھ سامان خرید لو اور مدینہ منورہ میں وہ سامان بیچ کر اصل سرمایہ بیت المال میں جمع کرا دینا اور نفع خود رکھ لینا۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا لیکن حضرت عمر اس پر راضی نہ ہوئے کیونکہ یہ ان کے صاحبزادوں کے ساتھ امتیازی سلوک تھا اس لیے انھوں نے اسے مضاربہ قرار دے کر اصل سرمائے کے علاوہ ان سے آدھا نفع بھی وصول کیا۔

یہ قرض بھی کاروبار کے لیے ہی دیا گیا تھا اس لیے یہ کہنا کہ نزول قرآن کے وقت کاروباری قرضوں کا رواج نہیں تھا درست نہیں ہے۔ دوسری غلط فہمی:

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام نے صرف مرکب سود (Compound Interest) کو حرام قرار دیا ہے۔ مفرد سود (Simple Interest) کو حرام قرار نہیں دیا۔

ازالہ:

قرآن نے سود کی مد میں واجب الوصول ہر قسم کی رقم سے دست بردار ہونے کا حکم دیا ہے جس میں مفرد سود بھی شامل ہے۔

بعض اوقات قرآن کسی جرم کی قباحت بیان کرنے کے لیے ایسی باتیں بھی ذکر کرتا ہے جو اس جرم کا لازمی عنصر نہیں ہوتیں، مثلاً قرآن کہتا ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمْلَاقٍ﴾

[بنی اسرائیل: ۳۱]

”فقروفاقہ کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔“

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ فقر وفاقہ کے خوف کے بغیر قتل کیا جا سکتا ہے۔

تیسری غلط فہمی:

بعض لوگ سود کے حق میں یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ سود کی آیت آخری آیات میں سے ہے اور نبی کریم ﷺ اس کی وضاحت کیے بغیر ہی دنیا سے رخصت ہو گئے لہذا سود کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں یہاں تک کہ صحابہ کرام کو بھی معلوم نہ تھا کہ سود کیا ہے۔

ازالہ:

ان کا یہ استدلال واضح طور پر باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سود لینے والوں کے خلاف اعلان جنگ کیا ہے۔ کیا یہ تصور کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے عمل پر اعلان جنگ فرما دیا ہو جس کی حقیقت ہی کسی کو معلوم نہ ہو جب کہ اس اصول ہے:

﴿لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة: ۲۸۶]

”اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔“
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فرمان کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سود کی حرمت آپ ﷺ کی زندگی کے بالکل آخری ایام میں نازل ہوئی تھی کیونکہ اس کی حرمت تو غزوہ احد کے فوراً بعد نازل ہو چکی تھی۔ چنانچہ سورہ آل عمران میں فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

[آل عمران: ۱۳۰]

”اے ایمان والو! سود کو دو گنا چو گنا کر کے مت کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم آخرت میں نجات پاسکو۔“

اور یہ بات طے ہے کہ یہ آیت غزوہ احد کے فوراً بعد نازل ہوئی تھی۔ بعض روایات سے تو یہ بھی پتا چلتا ہے کہ سود غزوہ احد سے پہلے ہی ممنوع قرار دیا جا چکا تھا جیسا کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”قدم النبی ﷺ ونحن نتبايع هذا البيع فقال ما كان يدا بيد فليس به بأس وما كان نسيئة فلا يصلح.“ (صحیح بخاری)

”نبی ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے اور ہم یہ بیع کرتے تھے (ایک مخصوص بیع کی طرف اشارہ ہے) تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو نقد بہ نقد ہو اس میں کوئی حرج نہیں اور جو ادھار ہو وہ درست نہیں ہے۔“

”عن أبي هريرة رضي الله عنه أن عمرو بن أقيش كان له ربا في الجاهلية فكره أن يسلم حتى يأخذه فجاء يوم أحد فقال أين بنو عمي؟ قال وأبأحد قال أين فلان؟ قالوا بأحد قال أين فلان؟ قالوا بأحد فلبس لامته وركب فرسه ثم توجه قبلهم فلما راه المسلمون قالوا إليك عنا يا عمرو قال إني قد امنت.“ (سنن أبي داود، رقم الحديث: ۲۵۳۷)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمرو بن اقیش رضی اللہ عنہ کا زمانہ جاہلیت میں کسی کے ذمہ سود تھا انھوں نے اس کے وصول کرنے تک اسلام قبول کرنے کو نا مناسب سمجھا، وہ جنگ احد کے دن آئے اور پوچھا میرے چچا زاد کہاں ہیں؟ جواب ملا جنگ احد میں، پوچھا فلاں کہا ہے؟ جواب دیا گیا احد میں، انھوں نے پوچھا فلاں کہاں ہے؟ کہا گیا احد میں انھوں نے اسلحہ پہنا اور گھوڑے پر سوار ہو کر احد کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب مسلمانوں نے انھیں دیکھا تو کہنے لگے: اے عمرو! دور ہو جاؤ، اس پر انھوں نے کہا: میں اسلام لا چکا ہوں۔“

مزید یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے سود کا جواز ثابت کرنا ان کے مقصد کے صریح خلاف ہے کیونکہ ان کا مقصد تو یہ ہے کہ صرف صریح سود سے ہی نہ بچو بلکہ ہر اس معاملے سے بھی بچو جس میں سود کا شائبہ بھی پایا جائے۔

صحیحین، سنن ابی داود، نسائی، ترمذی اور موطا امام مالک میں حضرت عمر سے حرمت سود کے بارے میں جو روایات مروی ہیں ان سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کو سود کی حرمت اور اس کی حقیقت کے متعلق کوئی اشکال نہ تھا۔ ان کو اصل اشکال یہ تھا کہ آیا اس کا دائرہ صرف انہی چیزوں تک محدود ہے جن کا حدیث میں ذکر ہے یا ان کے علاوہ دوسری چیزیں بھی اس میں شامل ہیں؟

چوتھی غلط فہمی:

بعض لوگوں کے نزدیک سود درحقیقت افراط زر (Inflation) کی وجہ سے روپے کی قوت خرید میں آنے والی کمی کی تلافی کا ذریعہ ہے۔

ازالہ:

معاشی ماہرین کے نزدیک افراط زر بہت سے عوامل کے مجموعی عمل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس کی ذمہ داری کسی ایک شخص پر عائد نہیں کی جاسکتی۔ لہذا کرنسی کی قوت خرید میں کمی کا ذمہ دار مقروض کو ٹھہرانا درست نہیں ہے۔

مزید برآں حدیث مبارکہ میں قرض دینے کو صدقہ اور نیکی قرار دیا گیا ہے۔ اگر روپے قوت خرید کم ہونے کی صورت میں قرض دہندہ کو نقصان ہوتا ہے تو اس کو آخرت میں اس کا اجر و ثواب بھی ملے گا۔

مولانا ابوالکلام آزاد کا مسلک

عبدالرشید عراقی

صحافت سے وابستگی:

مولانا ابوالکلام آزاد ایک نابغہ روزگار شخصیت تھے۔ ان کی دینی، علمی، ادبی، قومی و ملی اور سیاسی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ اور ان کے کارناموں کی گونج عرصہ دراز تک سنی جائے گی۔ مولانا آزاد جن امتیازات کی وجہ سے پورے ملک پر چھائے رہے اور ان کی غیر معمولی قابلیتوں نے لوگوں کے دلوں پر اپنے گہرے نقوش ثبت کیے تھے اور پورے عہد و ماحول کو متاثر کیا تھا، ان میں ان کا ایک نمایاں وصف ان کی صحافت ہے۔

صحافت سے مولانا ابوالکلام کا مقصد جلب منفعت یا طلب جاہ نہ تھا۔ بلکہ اس کے ذریعہ اخلاص اور بے لوثی سے ملک و قوم کی خدمت کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ مولانا اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا وقار، عظمت اور عزت عطا کی۔ مولانا عبدالرزاق بیچ آبادی کے صاحبزادے جناب احمد سعید بیچ آبادی ایڈیٹر ”آزاد ہند“ لکھتے ہیں:

”جس اخبار اور رسالے کو ہاتھ لگایا۔ اسے چار چاند لگائے

ایڈٹ کرنے کا گرمولانا نے خود اپنے لیے وضع کیا۔ ان کے

سامنے اگر کوئی نمونہ تھا تو مصر اور ترکی کے اخبار اور رسالے

تھے جو مولانا کے پاس آتے تھے۔ مضامین کے انتخاب،

موضوعات کے تعین، مسائل و مباحث کے بیان حتیٰ کہ الفاظ

و اصطلاحات کی ترجیحات اور املا کی پابندی پر بھی مولانا کی

نظر اور گرفت رہتی تھی۔ (ابوالکلام آزاد ایک ہمہ گیر شخصیت،

از رشید الدین خان، ص: ۲۸۰)

مولانا ابوالکلام آزاد ۱۳ برس کی عمر میں صحافت کے میدان میں

داخل ہوئے اور ۲۸ برس تک وہ اس سے وابستہ رہے جب ملکی سیاست سے تعلق جوڑا، تو پھر اپنی شدید خواہش کے باوجود صحافت سے اپنا تعلق قائم رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

مولانا آزاد کا کئی رسائل و جرائد سے تعلق رہا، کسی رسالے کے مدیر رہے کسی کے نائب مدیر اور اس کے علاوہ خود بھی کئی ایک رسائل جاری کیے، ذیل میں ان رسائل و جرائد کی تفصیل پیش خدمت ہے:

۱: ۱۸۹۹ء: ماہنامہ نیرنگ عالم کلکتہ۔

۲: ۲۲ جنوری ۱۹۰۱ء: ہفت روزہ المصباح کلکتہ۔

۳: ۱۹۰۱ء: تحفہ احمدیہ کانپور۔

۴: ۱۹۰۳ء: ہفت روزہ احسن الاخبار کلکتہ۔

۵: مارچ ۱۹۰۳ء: ماہنامہ خدنگ نظر لکھنؤ۔

۶: ۱۹۰۳ء: ماہنامہ ایڈورڈ گزٹ شاہجہان پور۔

۷: یکم نومبر ۱۹۰۳ء: ماہنامہ لسان الصدق کلکتہ۔

۸: ۱۹۰۵ء: ماہنامہ الندوہ لکھنؤ۔

۹: ۱۹۰۵ء: سہ روزہ وکیل امرتسر۔

۱۰: ۱۹۰۶ء: الندوہ سے علیحدگی۔

۱۱: اپریل ۱۹۰۶ء: دوبارہ سہ روزہ وکیل امرتسر سے وابستگی۔

۱۲: نومبر ۱۹۰۶ء: وکیل سے علیحدگی۔

۱۳: جنوری ۱۹۰۷ء: تیسری بار اخبار وکیل سے تعلق۔

۱۴: ۱۹۰۷ء: ہفت روزہ دارالسلطنت کلکتہ۔

۱۵: ۱۳ جولائی ۱۹۱۳ء: ہفت روزہ الہلال کلکتہ۔

۱۶: یکم نومبر ۱۹۱۴ء: الہلال کی اشاعت حکومت نے روک دی۔

۱۷: ۱۳ نومبر ۱۹۱۵ء: ہفت روزہ البلاغ کلکتہ۔

۱۸: اپریل ۱۹۱۶ء: البلاغ بند ہو گیا۔

بھی نہیں یہ تصانیف غالباً اب بھی مولانا کے کتب خانے کی الماریوں میں بند پڑی ہوں گی۔ جسے وہ انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشنز (نئی دہلی) کو عطا کر چکے ہیں۔

والد کے مریدوں سے بھی مولانا بہت گھبراتے تھے۔ وہ زیارت و قدم بوسی کے لیے برابر حاضر ہوتے۔ اور مولانا ملنے سے انکار کر دیتے۔ مدتوں یہی ہوتا رہا آخر ہفتے میں ایک دن مقرر کر دیا۔ مرید جمع ہوتے اور مولانا تقریباً ایک گھنٹہ ان میں بیٹھتے اور وعظ و نصیحت کرتے لیکن انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ دہلی میں مولانا کی قبر پر جو کچھ ہوتے میں نے دیکھا ہے۔ وہ کہیں ان کی قبر کی بھی پرستش کا پیش خیمہ ثابت نہ ہو۔“ (ذکر آزاد، ص: ۲۵۲)

مولانا ابوالکلام آزاد کا مسلک:

مولانا ابوالکلام آزاد کے دینی مسلک کے بارے میں مولانا عبدالرزاق بلخ آبادی فرماتے ہیں:

”مولانا مذہباً سلف صالحین کے مسلک پر استوار تھے اور عقائد میں مسلک سلف سے تجاوز گوارا نہ تھا۔ لیکن عمل میں بڑے روادار تھے۔“ (ذکر آزاد، ص: ۱۳۴)

مولانا عبدالحمید خادم سوہدروی (۱۹۵۹ء) مولانا ابوالکلام آزاد کے مسلک کے بارے میں لکھتے ہیں:

”مولانا ابوالکلام آزاد کی جس قدر سوانح عمریاں اب تک شائع ہوئی ہیں اور ان کے حالات کے متعلق جس قدر اخبارات نے ”آزاد نمبر“ شائع کیے ہیں کسی نے بھی اس امر کا اظہار نہیں کیا کہ مولانا آزاد عقیدۂ مسلکاً اہل حدیث تھے۔ حتیٰ کہ جمعیۃ العلماء ہند کا آرگن ”الجمعیۃ“ بھی اپنے آزاد نمبر میں پہلو تہی کر گیا۔ اور اس بات میں بالکل خاموش رہا۔ حالانکہ اس امر کی وضاحت نہایت ضروری تھی کہ اتنا بڑا جید عالم جسے ”امام الہند“ کا خطاب دیا گیا ہو، جو مدتوں جمعیۃ العلماء ہند کا صدر رہا۔ عقیدۂ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی،

درج رسائل کے مولانا ابوالکلام آزاد گمان و سرپرست تھے:

۱۹: روزنامہ اقدام کلکتہ ۱۹۱۵ء ایڈیٹر مولانا محی الدین احمد قصوری۔
۲۰: ہفت روزہ پیغام کلکتہ ۲۳ ستمبر ۱۹۳۱ء ایڈیٹر مولانا عبدالرزاق بلخ آبادی۔

۲۱: پندرہ روزہ الجامہ (عربی) کلکتہ یکم اپریل ۱۹۲۳ء ایڈیٹر مولانا عبدالرزاق بلخ آبادی۔

۲۲: روزنامہ پیام کلکتہ ایڈیٹر مولانا عبدالرزاق بلخ آبادی۔
۲۳: ہفت روزہ الہلال ثانی ۱۰ جون ۱۹۲۷ء ایڈیٹر مولانا عبدالرزاق بلخ آبادی۔ (۹ دسمبر ۱۹۲۷ء کو ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔)

۲۴: سہ ماہی ثقافتہ الہند (عربی) دہلی ۱۹۵۰ء ایڈیٹر مولانا عبدالرزاق بلخ آبادی۔

مروجہ پیری مریدی سے نفرت:

مولانا ابوالکلام آزاد مروجہ پیری مریدی سے سخت نفرت کرتے تھے۔ اور اس کو کسی بھی لحاظ سے جائز نہیں سمجھتے تھے۔ مولانا کے دیرینہ رفیق مولانا عبدالرزاق بلخ آبادی لکھتے ہیں:

”معلوم ہے مولانا کے والد بہت بڑے پیر تھے، مگر مولانا کو اس دھندے سے سخت نفرت تھی۔ والد کلکتے میں دفن ہیں۔ پہلی برسی ہوئی تو مرید مزار پر جمع ہوئے اور ہر ممکن طریقے سے زور ڈالا کہ آبائی گدی سنبھالیں اور سالانہ عرس کرتے رہیں۔ مگر مولانا نے بڑی صفائی سے اس پورے معاملے کی مذمت کی۔ اور اعلان کر دیا کہ جس کا جی چاہے، میری رضا مندی کے خلاف عرس کا بندوبست کرے، خود میں شریک نہیں ہوں گا۔ انھوں نے کیا بھی یہی، بلکہ میں نے اپنے تمام زمانہ قیام میں کبھی نہیں دیکھا کہ مولانا اپنے والد کی قبر پر پر گئے ہوں۔ اور یہ محض فتنے سے بچنے کے لیے اور پیری مریدی سے انتہائی نفرت کی وجہ سے۔

مولانا اس معاملے میں اتنے بیزار تھے کہ والد کی تصنیفات کی اشاعت بھی گوارا نہیں کی۔ مطبوعہ کی بھی نہیں۔ غیر مطبوعہ کی

دیوبندی یا بریلوی مقلد تھا یا غیر مقلد، مگر نہ معلوم کیوں سبھی نے اس میں چشم پوشی کی شاید اس لیے کہ اگر ان کے مسلک پر بحث کی گئی اور اسے عیاں کر دیا گیا تو جماعت اہل حدیث کا وقار بڑھ جائے گا۔ اور عوام اہل حدیث کی طرف مائل ہونے لگیں گے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مولانا آزاد عقیدہ اہل حدیث تھے، غیر مقلد تھے۔ تقلید و جمود کو قلعہ پسند نہیں کرتے تھے۔ آپ نے اپنی اکثر تصانیف میں تقلید کی مذمت کی ہے۔ اور عالمانہ اور محققانہ انداز میں اس کی تردید بھی کی ہے۔ خصوصاً اپنی آخری کتاب ”آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی“ میں اس وضاحت سے اس مسئلے پر روشنی ڈالی ہے کہ باید و شاید۔

اس لیے ضرورت تھی کہ ہم مولانا کے مذہبی عقائد اور مسلک کو واضح کرتے اور ان کے جملہ معتقدین کو بتاتے کہ وہ عقیدہ اہل حدیث تھے۔ جماعت اہل حدیث سے گہرا تعلق اور پوری راہ و رسم رکھتے تھے۔ اہل حدیث کے اکثر اجلاس کی صدارت فرمایا کرتے تھے، ان کے جھگڑے پنپایا کرتے تھے اور وزارت کے عہدہ پر فائز ہونے کے باوجود مالیر کونلہ کے مقدمے میں دلچسپی لیتے رہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ سیاسی مصروفیات کی وجہ سے کوئی خاص جماعتی کام نہ کر سکے۔ اور ایسی خدمات سرانجام نہ دے سکے جیسی دیگر علمائے اہل حدیث دیتے رہے۔ یہ اپنا اپنا ذوق ہے لیکن اس بات میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں کہ آپ طبعاً انگریز کے دشمن تھے۔ انگریزی حکومت کو تباہ و برباد کر کے اپنے مسلک کو آزاد دیکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے عمر بھر ساری توجہ ادھر ہی مبذول رہی اور مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی کی طرح نہ مسائل میں الجھے اور نہ بحث مباحثہ میں پڑے۔ اور ”کلمۃ اللہ ہی العلیاء“ کا نعرہ بلند کرتے رہے اور ہمہ وقت اپنے مشن میں لگے رہے۔“ (نقوش آزاد، ص: ۴۸، ۴۹)

امام احمد، ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے والہانہ عقیدت: مولانا ابوالکلام آزاد امام اہل السنۃ احمد بن حنبل رحمہ اللہ (م ۲۴۱ھ) امام شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (م ۷۲۸ھ) اور امام شاہ ولی اللہ دیوبلی رحمہ اللہ (م ۱۱۷۶ھ) سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ اور ان آئمہ کرام کی تصانیف کے بہت شیدائی تھے۔ مولانا نے اپنی کتاب ”تذکرے“ میں جن الفاظ کے ساتھ ان آئمہ کرام کا تعارف کرایا ہے۔ وہ اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ:

مولانا ابوالکلام آزاد امام احمد رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ”تیسری صدی کے اوائل میں جب فتنہ اعتزال و تعق فی الدین اور بدعت مضلہ تکلم بالفلسفہ و انحراف از عقصام بالسنہ نے سر اٹھایا اور صرف ایک ہی نہیں بلکہ لگا تار تین عظیم الشان فرمانرواؤں یعنی مامون، معتصم اور واثق باللہ کی شمشیر استبداد و قہر حکومت نے اس فتنے کا ساتھ دیا۔ حتیٰ کہ بہ قول علی بن المدینی کے فتنہ ارتداد و منہ زکاۃ (بہ عہد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے بعد یہ دوسرا فتنہ عظیم تھا جو اسلام کو پیش آیا۔ تو کیا اس وقت علمائے امت اور آئمہ شریعت سے عالم اسلام خالی ہو گیا تھا۔ غور تو کرو کیسے کیسے اساطین علم و فن اور اکابر فضل و کمال اس عہد میں موجود تھے۔ خود بغداد علمائے اہل سنت و حدیث کا مرکز تھا، مگر سب دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ گئے اور عزیمت، دعوت و کمال، وراثت نبوت و قیام حق و ہدایت فی الارض والامۃ کا وہ جو ایک مخصوص مقام تھا صرف ایک ہی قائم لایم اللہ کے حصے میں آیا، یعنی سید المجد دین و امام المصلحین حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔“ (تذکرہ، ص: ۱۳۳، ۱۳۴)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ:

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (م ۷۲۸ھ) اپنے دور کے جلیل القدر عالم دین اور متکلم تھے ان کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد

فرماتے ہیں:

”عزیمت و دعوت کا جو ایک خاص مقام ہے وہ ان میں کسی کے حصے میں کبھی نہ آیا۔ وہ صرف شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہی کے لیے تھا۔ سب اپنے دوسرے دوسرے کاموں میں رہ گئے لیکن انھوں نے وہ سب کام بھی ان سے بہتر کیے جو وہ سب کر رہے تھے۔ اور پھر ان سے بڑھ کر یہ کہ سب کو راہ عزیمت، دعوت و تجدید و احیاء ملت و رفع اعلام سنت، و اعتماد شریعت و کشف و ابراز معارف مستورہ کتاب و سنت و غوامض و سرائر معارف و حکمت نبوت و انفجار ینابیع الحکمت من اللسان و الجنان و جہاد فی سبیل اللہ بالسیف و القلم و اللسان میں منزلوں اپنے پیچھے چھوڑ دیا۔ اور علوم و اعمال و بیہ و سماویہ کی ان بلندیوں پر تنہا جا کھڑے ہوئے جہاں ان کے اقران و معاصرین کے وہم و تصور کو بھی بار نہیں۔ حتیٰ کہ خود ان کے معاصرین کو یک زبان و یک قلم ہو کر اعتراف کرنا پڑا:

”مار اینا مثلہ و انہ مارای مثل نفسہ۔“

”نہ تو ہماری آنکھوں نے اس کا مثل دیکھا اور نہ خود اس کو اپنا سا کوئی نظر آیا۔“

اے تو مجموعہ خوبی بچہ نامت خوانم۔“ (تذکرہ، ص: ۱۵۹، ۱۶۰)

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ:

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۱۷۷ھ) بہ یک وقت مفسر بھی

تھے اور محدث بھی، فقیہ بھی تھے اور مجتہد بھی، معلم بھی تھے اور متکلم بھی۔

حقیقت یہ ہے کہ ان کا وجود گرامی اگر دور اول اور زمانہ ماضی میں ہوتا

تو ان کا شمار امام الائمہ اور سربراہ مجتہدین کی جماعت میں کہا جاتا۔

مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں:

”بارہویں صدی کا ایک عظیم ترین ظہور علوم و معارف دیکھو،

زمین بخر ہو چلی تھی، پھر بھی کھیتوں کی سبزی اور چمنوں کی لالی

سے کوئی گوشہ بالکل خالی نہ تھا۔ تیرہویں صدی کے تمام

کاروبار علم و طریقت کے اکابر اساتذہ اسی صدی میں سربرآوردہ ہوئے اور بعض بڑے بڑے سلاسل درس و تدریس کی بنیادیں اسی میں استوار ہوئیں۔ جیسے خاندان مشہور فرنگی محل اور ہندوستان سے باہر بلادِ عربیہ و عثمانیہ میں اکثر مشاہیر علم و ارشاد جیسے شیخ ابراہیم کورانی، محمد بن احمد سفارینی النجدی، سید عبدالقادر کوکبانی، شیخ عمر فاسی تیوسی، شیخ سالم بصری، امیر محمد بن اسماعیل میمانی، شیخ عبدالخالق زبیدی، علامہ فلانی صاحب ایقاظ، شیخ محمد حیات سندھی المدنی وغیرہم کہ شاہراہ عام سے اپنی راہ الگ رکھتے تھے اور حقیقت مستورہ کے شناسا و حق آگاہ تھے بایں ہمہ معلوم ہے کہ وہ جو دورہ آخر کے فاتح اور سلطان عصر ہونے کا مقام تھا اور قطبیت وقت کا وہ صرف حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہ رضی اللہ عنہ ہی کے لیے تھا اور لوگ بھی بیکار نہ رہے، کام کرتے رہے۔ مگر جو کام یہاں انجام پایا وہ صرف یہیں کے لیے تھا فیضی احسنت ازیں عشق کہ دوراں امروز گرم دارد ز تو ہنگامہ رسوائی را!“

(تذکرہ، ص: ۲۶۷، ۲۶۸)

تقلید پرستی سے بغاوت:

مولانا ابوالکلام آزاد کو تقلید سے سخت نفرت تھی اور تقلید کو کسی بھی صورت میں جائز قرار نہیں دیتے تھے۔ مولانا اپنے ایک مقالے میں لکھتے ہیں:

”تقلید کے اہرمن سے بڑھ کر انسان کی تمام یزدانی خصال

کا اور کوئی دشمن نہیں، انسانی اعمال کی جس قدر گراہیاں ہیں

ان سب کی ختم ریزی تقلید ہی کی سر زمین سے ہوتی ہے۔ تقلید

پرستی کی عادت ہلاکت و بربادی کی ایک چٹان ہے۔

جو انسانی تفکر و تدبر اور ادراک و تعقل کی تمام قوتوں کو کچل

ڈالتی ہے اور اس کی قوت نشو و نما کا دائمی سد باب کر دیتی ہے۔

(باقی صفحہ نمبر ۱۸ پر ملاحظہ کیجیے)

نظام کی تبدیلی

عطاء محمد جنجوعہ

جھوٹ، نشہ، رشوت، غبن، چوری، ڈکیتی، فحاشی، بدکاری، غیبت و دیگر منکرات سے دامن بچانے کی زبانی تلقین کر سکتے ہیں۔ لیکن ہاتھ سے برائی کا خاتمہ اور جہاد کا فریضہ ادا کرنا ان کی نہیں حکومت کی ذمہ داری ہے۔ البتہ حکومت فرض کی ادائیگی میں غفلت کا مظاہرہ کرے یا روگردانی کرے، علماء حکمران طبقے کو باہر بالمعروف نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کا احساس دلائیں۔ مسلم دنیا کو خانہ جنگی کے حالات سے دوچار کرنا صہیونی سازش ہے اس سے دامن بچانا ضروری ہے۔ دعوت و جہاد کے مرحلہ میں اذیتوں کو برداشت کرنا اسلاف کا مشن رہا۔ امام ابن تیمیہ، امام احمد بن حنبل اور مجدد الف ثانی رحمہم اللہ کا تاریخی کردار اس کا بین ثبوت ہے۔

دینی جماعتوں نے اسلامی حکومت کے قیام کے لیے انتخابی جدوجہد کو جہاد سمجھ لیا لیکن وہ نئی نسل کی روحانی تعلیم و تربیت کے فرض سے غافل ہو گئے معاشرہ لبرل و قدامت پسند طبقوں میں تقسیم ہو گیا، اگر اسلامی جماعتوں نے کسی ملک کی پارلیمنٹ میں اکثریت بھی حاصل کر لی تو وہ اسلامی قانون کی حکمرانی قائم نہ کر سکے۔ اگر کہیں بزور قوت نافذ کی تو لبرل طبقہ نے بھرپور مزاحمت کی۔ ہمارے اسلاف نے معاشرہ اور حکومت کی اصلاح کو ماٹو بنالیا۔ کسی حکمران نے اسلام کے منافی قدم اٹھایا تو انھوں نے خوش اسلانی سے دعوت و جہاد کا فرض ادا کیا۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نام و محدث اور فقیہ عالم دین تھے اُن کی ہارون الرشید سے جان پہچان تھی۔ جب ہارون الرشید کو نظام خلافت ملی تو بہت سے لوگ اُس کو مبارک باد دینے کے لیے گئے۔ لیکن امام سفیان ثوری رحمہ اللہ حاضر خدمت نہ ہوئے تو خلیفہ نے اُن کی خدمت میں خط لکھا تو سفیان ثوری رحمہ اللہ نے خط پڑھ کر وعظ

خاتم النبیین ﷺ نے مدینہ منورہ میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔ خلافت اسلامیہ کے دور میں عراق، مصر، شام، ایران، ترکستان، سندھ اور افریقہ فتح ہوئے انھوں نے مفتوحہ ریاستوں میں رائج سیاسی، معاشی اور عدالتی نظام ختم کر دیا۔ قرآن و سنت پر مبنی نظام نافذ کیا کسی کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ مقامی لوگوں نے مسلمانوں کے عدوان و انصاف سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ نظام خلافت تدریجی انداز سے زوال پذیر ہوا انگریزوں نے برصغیر پر قبضہ کیا۔ اُس وقت عدالتوں میں اسلامی فقہ رائج تھی۔ انگریزوں نے مسلمانوں کا نظام حکومت درہم برہم کر دیا اور عدالتوں میں عوامی قانون رائج کر دیا۔

پاکستان آزاد ہوا لیکن برطانوی قانون بدستور قائم رہا۔ متعدد بار انتخابات ہوئے چہرہ کی تبدیلی آئی لیکن نظام تبدیل نہ ہو سکا۔ مسلم دنیا کے وہ ممالک جہاں عوامی قانون نافذ نہ تھا۔ امریکا نے نائن الیون کی آڑ میں حملہ کیا۔ افغانستان اور عراق میں رائج نظام ملیا میٹ کر دیا اور وہاں سیکولر قانون نافذ کر دیا دیگر مسلم ممالک میں بزور قوت وہ ایسا کر رہا ہے۔ چنانچہ مسلم دنیا میں انتخابی جدوجہد سے نہیں بلکہ دعوت و جہاد کی بدولت قرآن و سنت کی حکمرانی قائم ہو سکتی ہے۔ رب کی رضا کے لیے دعوت و جہاد کرنا کامیابی کی کنجی ہے لیکن سیکولر قوتوں کے اشارے پر لڑنا اور لانگ مارچ کرنا اور دھرنے دینا ذلت و رسوائی ہے۔

پاکستان میں وعظ و نصیحت کرنے کی آزادی ہے۔ علماء کرام دوسروں کو اسلام کے روحانی نظام کے بنیادی اصول عقیدہ توحید، اطاعت رسول، فکر آخرت، پابندی صوم و صلاۃ، ایتائے زکاۃ، احسان و تقویٰ، صبر و تحمل، توبہ و استغفار، ذکر الہی، اخلاص و صدق، تواضع و انکساری اور جو دوسٹا پر عمل کرنے کی دعوت دے سکتے ہیں۔ اُن کو

مولانا عبدالرشید (سنت نگر لاہور) وفات پاگئے

بزرگ عالم دین، مفسر قرآن حضرت مولانا عبدالرشید صاحب (بانی جامع مسجد محمدی اہل حدیث فردوس پارک سنت نگر لاہور) طویل علالت کے بعد ۶ دسمبر ۲۰۱۳ء وفات پا گئے۔ انا اللہ ونا الیہ راجعون۔ مرحوم ایک جید عالم دین، بعض دینی کتب کے مترجم اور قرآن کریم کے مفسر تھے۔ ان کی نماز جنازہ بعد نماز عصر مولانا مرحوم کے تلمیذ رشید مولانا فضل الرحمان ازہری صاحب خطیب جامع مسجد محمدی اہل حدیث سنت نگر لاہور نے پڑھائی۔ قارئین سے مرحوم کی مغفرت و بلندی درجات کے لیے دُعاؤں کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

و نصیحت سے لبریز جواب تحریر کیا اس کو پڑھ کر ہارون کا حال یہ ہو گیا کہ وہ اکثر نماز کے بعد امام صاحب کا خط پڑھتا اور سسکیاں لے لے کر روتا۔ ہارون الرشید کی زندگی میں انقلاب برپا ہو گیا اب اُس نے اپنی زندگی کا معمول بنالیا کہ وہ ایک سال حج کے مبارک سفر پر جاتا رہا دوسرے سال مجاہدین کے ساتھ سرحد پر جہاد کرنے کے لیے نکلتا رہا۔ اللہ کے فضل سے اس کے دور میں مملکت اسلامیہ کا رقبہ وسیع تر ہو گیا۔ الہی! ہمیں دعوت و جہاد کا فریضہ ادا کرنے والے علماء و حکمران نصیب فرما۔ جو چہروں کی تبدیلی کی بجائے قرآن و سنت کی حکمرانی کے لیے خلوص نیت سے جدوجہد کریں۔ اللھم آمین۔

پانی:
مولانا حکیم
عبدالرحیم اشرف
رحمہ اللہ

تصف صدی کے مصروف عمل • فرقہ واریت سے پاک جامعہ تعلیمات اسلامیہ



اہم اطلاع

ناگزیر و جو بات کی بنا پر کچھ عرصہ قبل مدارس کے ساتھ الحاق کا سلسلہ بند کروایا گیا تھا جسے اہل مدارس کے پُر زور اصرار پر دوبارہ شروع کیا جا رہا ہے، لہذا الحاق کے لئے رکھیں ادارہ جامعہ تعلیمات اسلامیہ کے نام درخواستیں ارسال کر سکتے ہیں۔

حیثیت سند

محکمہ مفت سے منظور شدہ و جامعہ ایم اے کے مساوی ڈگری دینے والی خودمختار جامعہ ام القریٰ سند العکرمہ اور جامعہ سعودیہ ریاض میں داخلہ کے مواقع

جامعہ شریٹ (بالتقابل ستارہ ٹیکسٹائل) سرگودھا روڈ فیصل آباد

فون: 11-910 8847 041-8847 910-11-0321-9667350

تفسیری خطبات کے سلسلے کی دہائی کتابیں

خطبات سورۃ الحجرات || خطبات سورۃ العصر

صفحات: 448 قیمت: -/450 روپے

صفحات: 560 قیمت: -/600 روپے

علامہ خطباء اور طلباء کے لیے
انتہائی رعایتی قیمت پر دستیاب ہیں۔

مؤلف: پروفیسر حافظ عبدالستار حامد

مکتبہ اسلامیہ، مکتبہ قدوسیہ، مکتبہ نعمانی کتب خانہ، مکتبہ اسلامی اکادمی۔ اردو بازار، لاہور

مکتبہ اہل حدیث، مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد

والی کتاب گھر، مکتبہ نعمانیہ اردو بازار۔ گوجرانوالہ

ملنے کے پتے

جیل مع سجاد ضیاء اہل حدیث • پرائیویٹ سیدان

ضلع گجرات



افتتاحی

خطِ محمدیہ

13 دسمبر 2013 بمطابق 8 صفر 1435

آپسے اور اجازت ہٹا دیجیے

جامعہ علوم انٹرنیٹ جہلم

مالی افکار حسین شاہ

مسجد نماز باجماعت کے علاوہ صبح و شام بچوں کو تھپڑ دے کر تھکا کر ان کو مسنون نماز اور دعائیں پڑھانے کا انتظام کر دیا گیا ہے

شاہ الدشاہ مرکزی جمعیتہ القرآن

الحکیم عالم

ماہر تعلیم شیخ العربیہ مولانا محمد بشیر کی زیر نگرانی

معهد اللغة العربية کے شعبہ طلبہ اور شعبہ طالبات میں داخلہ جاری ہے

معهد اللغة العربية اسلام آباد میں جدید طریقہ تعلیم رائج ہے، جس میں بچوں کو پہلے دو تین سالوں میں اسلامی تعلیم اور عربی زبان کی اچھی مہارت حاصل ہو جاتی ہے۔ ادارے میں نیچے سے اوپر تک ذریعہ تعلیم عربی ہے اور چھوٹے بچوں کے تعلیمی شعبوں ناظرہ قرآن، تحفیظ القرآن اور تجوید القرآن میں بھی عربی بول چال کی تربیت دی جاتی ہے۔

اس ادارے میں زیر تعلیم میٹرک پاس طلبہ اور طالبات کو صرف دو تین سال بعد (۱) کسی اچھے دینی ادارے، سکول یا کالج میں اسلامیات اور عربی زبان کی تدریس کے لیے تقرری کی سہولت حاصل ہے۔ (۲) نیز انہیں پاکستان یا عرب ملکوں کی کسی اسلامی یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم کے لیے داخلہ مل سکے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ابتدائی جماعت میں داخلے کیلئے بچوں کا ڈل پاس ہونا ضروری ہے، اگلی کلاسوں میں بھی داخلہ جاری ہے۔ ہم وفاق المدارس کے کورسوں کے علاوہ میٹرک اور ایف اے کی معیاری تدریس بھی کرتے ہیں۔ داخلہ ۱۵ ستمبر تک جاری رہے گا۔ بیرونی طلبہ اور طالبات کیلئے الگ الگ ہوٹل اور درس گاہ کا انتظام موجود ہے۔ معمولی فیس کی ادائیگی پر قیام و طعام کی سہولت دی جاتی ہے۔ جو علماء اپنے تعلیمی اداروں کو ترقی دینا چاہتے ہیں وہ اپنے عزیز بچوں کو معهد اللغة العربية کے اس جدید طریقہ تعلیم سے استفادے کا موقع فراہم کریں۔

معلمین اور معلمات کے تربیتی کورسز: ادارے میں معلمین اور معلمات کے لئے دو ماہ، چھ ماہ اور ایک سال کے تعلیم و تربیت کے کورسز بھی ہو رہے ہیں۔

معهد اللغة العربية سٹریٹ 32، آئی ایڈی سٹر، جی ٹاؤن ون، اسلام آباد فون: 2253733

ماہر تعلیم شیخ العربیہ مولانا محمد بشیر کی دونی کتابیں پڑھیے۔

اللہ تعالیٰ نے عربی زبان کو دین اسلام اور امت مسلمہ کے تحفظ و ترقی کا ذریعہ بنایا، پھر اسلامی عربی تعلیم نظریہ پاکستان کی اساس بنی، لیکن ہماری حکومت اور دینی مدارس نے اس کی تعلیم و ترقی پر سنجیدہ توجہ نہیں دی تو ہمارے اساسی نظریے کو کتنا ضعف پہنچا؟ اور ہمارے کتنے ملی، سفارتی، تعلیمی اور مالی نقصانات مسلسل ہو رہے ہیں؟ دینی مدارس اور یونیورسٹیاں کتنے پسماندہ ہیں؟ ان کے طلبہ اور اساتذہ دینی، تعلیمی اور معاشی ترقی سے کیسے محروم رہتے ہیں؟ آئیے اب اپنے ناظمین اور معلمین کو جدید طریقہ تعلیم کی تربیت دیں اور تعلیمی نظام کو نیچے سے اوپر تک ترقی دینے کے لیے

۱۔ درس نظامی کی اصلاح اور ترقی قیمت: ۶۰۰ روپے

پڑھیے، جو مسلم معاشرے اور ریاست میں عربی کے صحیح مقام اور صحیح طریقہ تعلیم کو واضح کرتے ہوئے ابتدائی مکاتب، مدارس اور یونیورسٹیوں میں اس کی موثر تعلیم و ترقی کا انقلابی منصوبہ پیش کرتی ہے۔

۲۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں صرف ایک عید قیمت: ۱۶۰ روپے

جو عیدین سعیدین کے مبارک موقعوں پر امت مسلمہ کی وحدت و عظمت کے تحفظ کیلئے عالم اسلام کے عظیم علماء اور ماہرین فلکیات کے مشہور مشاہدات اور تحقیق پر مشتمل ہے۔ ان دونوں کتابوں کو مملکت پاکستان کا ہر مسلمان عالم اور مفکر ضرور پڑھے۔ رعایت کے لیے رجوع کریں۔

دارالعلم: بلاک 105، سٹریٹ 32، جی ٹاؤن ون اسلام آباد 2253733-۶۹۹۔ آپارہ مارکیٹ اسلام آباد 2875371